

افادات احمدیہ

غیر مطبوعہ حصہ دوم

سید العلماء فخر المحدثین رئیس الاذکیاء و المتکلمین

قاسم ثانی حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امر و ہوی رحمۃ اللہ علیہ

بہ تحشی مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی خلف الرشید

حضرت مولانا سید احمد حسن رحمۃ اللہ علیہما

مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی


بنیرہ سید العلماء

فہرست افادات احمدیہ حصہ دوم

- ۱۔ مقدمہ از پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی ۶
- ۲۔ آغاز سخن از مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی ۱۲

فہرست فتاویٰ

- | نمبر شمار | مضامین و فتاویٰ | صفحہ نمبر |
|-----------|-------------------------------|-----------|
| ۱۔ | تشریح آیت کریمہ | ۱۵ |
| ۲۔ | تشریح آیت شریفہ | ۱۵ |
| ۳۔ | قرآنہ خلف الامام | ۱۷ |
| ۴۔ | فاتحہ وغیرہ | ۱۸ |
| ۵۔ | مصافحہ بعد العصر والفجر | ۲۰ |
| ۶۔ | حرمت سود | ۲۱ |
| ۷۔ | منقود الخمر | ۲۳ |
| ۸۔ | وظیفہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی | ۲۳ |
| ۹۔ | آب چاہ مشترک مسلم و غیر مسلم | ۲۴ |
| ۱۰۔ | تقلید | ۲۵ |
| ۱۱۔ | اشعار اردو فی الخطبہ | ۲۷ |
| ۱۲۔ | بیچ نامہ فرضی | ۲۹ |
| ۱۳۔ | ہبہ نامہ | ۳۰ |
| ۱۴۔ | مسائل مختلف میلاد وغیرہ | ۳۰ |
| ۱۵۔ | امامت تراویح نابالغ | ۳۲ |
| ۱۶۔ | دربارہ اذان دوم و دعا | ۳۲ |

- ۱۷۔ دربارہ ۶۰ روپیہ دے کر ۹۰ روپیہ لینا ۳۴
- ۱۸۔ ڈاڑھی پر سیاہ خضاب و تارک جہامت وغیرہ ۳۵
- ۱۹۔ وضاحت حدیث نوری من نور اللہ ۳۷
- ۲۰۔ دربارہ صلوٰۃ مسافر و نوافل وغیرہ ۳۹
- ۲۱۔ دربارہ نذر و مصرف نذر ۳۹
- ۲۲۔ دربارہ عقد باجارت والدہ بموجودگی چچا حقیقی ۴۰
- ۲۳۔ دربارہ مسائل مختلف مرتکب گناہ امامت فاسق وغیرہ ۴۱
- ۲۴۔ دربارہ طلاق ۴۲
- ۲۵۔ دربارہ ذکر الشہادتین ۴۳
- ۲۶۔ دربارہ سود کے مال سے تنخواہ جائز نہیں ۴۵
- ۲۷۔ دربارہ بصورت خوف و جانی و مالی ۴۶
- ۲۸۔ دربارہ تارک الجمعہ و الجماعت ۴۷
- ۲۹۔ دربارہ عدم تفصیل مہر منجبل و منجل ۴۸
- ۳۰۔ دربارہ سفر حج عورت بغیر محرم ۴۹
- ۳۱۔ دربارہ صلوٰۃ الجمعہ فی القریۃ ۵۱
- ۳۲۔ دربارہ قیام امام دارالحرب  ۵۲
- ۳۳۔ دربارہ طلاق ۵۴
- ۳۴۔ دربارہ پردہ تاہینا ۵۵
- ۳۵۔ دربارہ طلاق ۵۵
- ۳۶۔ دربارہ بوسیدن ابھام در آذان ۵۶
- ۳۷۔ دربارہ تکرار جماعت ۵۷

- ۵۹ - ۳۸۔ دربارہ تعمیر مسجد از مال حرام
- ۶۰ - ۳۹۔ دربارہ تصرف غسل خانہ مسجد
- ۶۱ - ۴۰۔ دربارہ سامان مسجد بہ مسجد آخر
- ۶۲ - ۴۱۔ دربارہ ذبیحہ نذر غیر اللہ
- ۶۳ - ۴۲۔ دربارہ نذر چندہ بہ تعین مسجد خاص
- ۶۴ - ۴۳۔ دربارہ زوجہ مجنون و مجذوم
- ۶۴ - ۴۴۔ دربارہ ملکہ مسجد
- ۶۵ - ۴۵۔ دربارہ وتر جماعت بغیر شرکت نماز عشاء
- ۶۵ - ۴۶۔ مطلب حدیث نوری من نور اللہ
- ۶۸ - ۴۷۔ دربارہ تراویح
- ۷۴ - ۴۸۔ قانع بدعت دربارہ سماع
- ۸۸ - ۴۹۔ دربارہ بیع سلم و کھنڈ سال
- ۸۸ - ۵۰۔ سجدہ تحیہ
- ۹۲ - ۵۱۔ توضیح سجدہ تحیہ
- ۹۵ - ۵۲۔ دربارہ حیوانات جو بتوں کے نام چھوڑتے ہیں
- ۹۶ - ۵۳۔ مطلب حدیث بخاری شریف آذر
- ۱۰۰ - ۵۴۔ دربارہ بسم اللہ شریف
- ۱۰۲ - ۵۵۔ مہر فاطمی
- ۱۰۳ - ۵۶۔ جائد ابغوض دین مہر
- ۱۰۵ - ۵۷۔ نقل فتوی دارالعلوم دیوبند
- ۱۰۶ - ۵۸۔ بیع دہبہ

- ۱۰۸ - ۵۹۔ اذان میں تقبیل اجماع میں
- ۱۱۰ - ۶۰۔ رسم درواج دو جا، تیجہ، بیسوان، چالیسوان
- ۱۱۲ - ۶۱۔ افادہ
- ۱۱۲ - ۶۲۔ سوال آمدہ از کاٹھیاواڑ
- ۱۱۵ - ۶۳۔ تعظیم مسجد
- ۱۱۶ - ۶۴۔ جواز نکاح ۷۰ بالغہ
- ۱۱۷ - ۶۵۔ زوجہ کا اختیار نکاح ثانی
- ۱۱۹ - ۶۶۔ ہندو کے گھر کا کھانا
- ۱۱۹ - ۶۷۔ اجرت استفتاء و فرائض لینا جائز ہے یا نہیں
- ۱۲۰ - ۶۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانا
- ۱۲۱ - ۶۹۔ سوال واعظ اور مفتی کی علمی استعداد
- ۱۲۲ - ۷۰۔ نکہار، طلاق، کفارہ
- ۱۲۳ - ۷۱۔ نقل خط مولانا احمد حسن امروہی بہ خدمت مولانا گنگوہی

مقدمہ

افادات احمدیہ حصہ دوم میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امرہ ہویٰ کی غیر مطبوعہ تحریریں اور فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جس پر میرے والد مولانا حافظ قاری سید محمد رضوی کے حواشی ہیں۔ اور شروع میں آغاز سخن کے عنوان سے ان کا دیباچہ ہے۔ میں ان تحریروں کو اپنی کتاب۔ سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث۔ احوال و آثار کا حصہ قرار دے کر من و عن شائع کر رہا ہوں۔ تاکہ ان کا افادہ عام ہو۔ اس سے قبل میرے والد مولانا سید محمد رضوی نے مفتی کفایت اللہ دہلوی کی تعاون سے افادات احمدیہ کا حصہ اول شائع کیا تھا۔ جواب نایاب ہے۔ اس لئے ان مطبوعہ مضامین کو بھی شامل اشاعت کر رہا ہوں۔ چونکہ ان دونوں کتابوں میں زیادہ فتاویٰ ہیں۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی تاریخ کیا ہے۔ تو عرض یہ ہے۔ کہ فتویٰ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جو کہ افتاء سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی رائے یا اظہار کے ہیں۔ لیکن شرعی اصطلاح میں لفظ فتویٰ کا اطلاق معاملات زندگی میں پیش آمدہ مسائل و سوالات کے بارے میں شریعت کے حکم پر ہوتا ہے جو کہ علماء شریعت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ بتاتے ہیں۔ فتویٰ دینے والے کو مفتی کہا جاتا ہے۔ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرعی علوم میں مہارت رکھتا ہو۔ جیسے مفتی محمد اعظم مفتی کفایت اللہ تھے۔ جو شامی اور فتاویٰ عالمگیری سے فتاویٰ لکھتے تھے۔ میرے دادا سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث کے پاس ملک بھر سے استفتاء آتے تھے۔ وہ چونکہ تمام شرعی اصطلاحوں، اصول و قواعد، ناخ منسوخ، رائج مرجوح، حلال و حرام کا ادراک بخوبی رکھتے تھے۔ اس لئے وہ استفتاء کے جوابات شرعی احکام میں شریعت اسلامی کی فہم کے ساتھ دیتے تھے۔

شریعت اسلامی میں فتویٰ کا آغاز آنحضرت ﷺ کے زمانے ہی سے ہو گیا تھا۔ خود قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔ مثلاً روح کے بارے میں پوچھا گیا کہ روح کیا ہے۔ اس کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا کہ آپ کہہ دیجئے قل

الروح من امر ربی کہ روح اللہ کی شان ہے۔ اسی طرح جب یہ پوچھا گیا کہ تمہارا رب کون ہے۔ اس کا حسب نسب کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں قرآن مجید نے کہا کہ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جتنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جتنا ہے۔ پھر ایک موقع پر یہ پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی۔ تو اس کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا کہ الیہ یرد علم الساءۃ اس کا علم اللہ ہی کو ہے غرض قرآن مجید نے کئی مسائل کی وضاحت کی۔ قرآن حکیم میں لیستتویک اور لیعلویک کے الفاظ آئے ہیں۔ وہ دراصل کسی مسئلہ کے بارے میں سوال ہے جس کا جواب بذریعہ وحی دیا گیا۔ اس طرح کے سوالات سورہ بقرہ، سورہ مائدہ، سورہ اعراف اور سورہ انفال میں ملتے ہیں۔ اکثر صحابہ کرام آنحضرت ﷺ سے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ جس کا جواب آپ قرآن مجید سے دیا کرتے تھے۔ احادیث میں یہ جوابات محفوظ ہیں۔ جس سے امت کو رہنمائی ملتی ہے۔ علماء نے انہی احادیث سے فقہ کی تدوین کی۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے فتویٰ نویسی کا سلسلہ جاری رکھا۔ جنہوں نے پیش آمدہ مسائل کا حل احادیث کی روشنی میں کیا۔ مدینہ منورہ میں فقہا تھے۔ جو علم کے ماہر تھے۔ اور جنہوں نے اکابر صحابہ۔ یعنی حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت زید بن ثابت اور دیگر صحابہ سے اکتساب علم کیا تھا۔ ان فقہائے سبعہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ سعید بن الحسیب ۲۔ عروہ بن زبیر ۳۔ قاسم بن محمد ۴۔ ابوبکر صدیق

۵۔ عبید اللہ بن عبد اللہ ۶۔ ابوبکر بن عبد الرحمن ۷۔ خارجہ بن زید وغیرہ

حضرت علیؑ کی فقہی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ فقہی مسائل میں حضرت علیؑ سے رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے مشورہ کئے بغیر فتویٰ دیدیا۔ پھر جب حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو آپ نے اصل شرعی فتویٰ سے آگاہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ چنانچہ مشہور ہو گیا کہ لولا علی لھلک عمر اگر حضرت علیؑ نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ ہلاک ہو جاتے۔

صحابہ کرام کے بعد یہ سلسلہ تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد فقہائے اُمت تک پہنچا۔ ائمہ مجتہدین کے دور میں شریعت اسلامی کے اس اہم شعبہ فتویٰ نویسی میں وسعت ہوئی۔ امام احمد بن حنبل نے خلق قرآن کے بارے میں رد کا فتویٰ دیا۔ شاد عبدالعزیز نے انگریزی سلطنت کے خلاف دارالحرب کا فتویٰ دیا۔ غرض حالات و گرد و پیش، آمدہ مسائل میں اضافہ کے لحاظ سے اجتہاد و استنباط کا دائرہ بھی وسیع ہوا۔ تو اس فن فتویٰ نویسی میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔ فقہاء، ائمہ، محدثین کرام نے اس فن کے اصول و قواعد مدون کئے۔ یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری میں اس فن کے حوالے سے کئی علماء فقہار کی تصانیف منصفہ خصوصاً پر آئیں۔ امام احمد بن حنبل کے مسئلہ خلق قرآن کے رد کا فتویٰ اور امام مالک بن انس کے طلاق مکروہ کے فتوے نے فتویٰ کو تقدس کا درجہ دیا۔

میرے دادا سید العلماء مولانا احمد حسن محدث امرہوی ایک عبقری شخصیت تھے۔ اور بلاشبہ آپ نادر روزگار شخصیات میں تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اوصاف حمیدہ سے متصف کیا تھا۔ ان کے اندر تجربہ علمی تھا۔ ان کے علمی سمندر سے بہت سے چشمے ابے اور سینکڑوں تشنگان علوم نے ان سے سیرابی حاصل کی۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ملک بھر سے ان کے پاس استفتاء آتے تھے۔ جن کے جوابات وہ دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ ان کے بہت سے فتاویٰ، نادر تحریریں تلف ہو گئیں۔ گھر میں ایک رجسٹر فتاویٰ باقی رہ گیا تھا۔ وہ میں نے محفوظ کر لیا تھا۔ اس کتاب کے ساتھ وہ شائع کر رہا ہوں۔ ان کے مشہور فتاویٰ میں فاتحہ خلف الامام، بہشتی دروازہ، بسم اللہ جزء الحمد ہے یا نہیں اور امکان النظیر اور امتناع وغیرہ ہیں۔ اس موضوع پر شاہ اسماعیل شہید پر بھی کلامی مباحثہ ہوا تھا۔ یہاں میں اپنے دادا کے فتویٰ کا ایک نمونہ پیش کر رہا ہوں۔ جس میں جسمیہ باری تعالیٰ سے بحث کی ہے۔ تاکہ قارئین کرام کو اندازہ ہو جائے کہ ان کے فتاویٰ کس قدر عالمانہ فاضلانہ ہوتے تھے۔ یہ فتویٰ ماہنامہ القاسم دیوبند شعبان المعظم ۱۳۲۸ء میں چھپا تھا۔ نمونہ یہ ہے۔

سوال دربارہ حسیۃ باری تعالیٰ

خداوند تعالیٰ شائے کا کسی مادیت پر ظہور فرماتا، ممکن ہے یا نہیں۔ امکان حلول یعنی خدائے پاک کے کسی جسم میں حلول کر جانے سے سوال نہیں۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ کا جسم ہونا (مثلاً ایک فرد، افراد انسان سے ہو جانا) ممکن ہے تو کس طرح اور خارج از امکان ہے تو کیوں اور کس برہان عقلی یا شرعی سے۔ سائل: بندہ محمد احمد سورتی غفی عنہ۔

یہ مسلم ہے کہ وجودی کو جیسا اس کے لوازم و آثار کا وجود ضروری ہے۔ علیٰ ہذا لوازم و آثار نقیض کا عدم نیز ضروری۔ پس واجب الوجود اور ازیلی الثبوت چونکہ نقیض ہے ممکن الوجود اور حادث کا۔ لہذا لازم ہے کہ لوازم و آثار مرتبہ وجوب وجود و ازیلیت وجود سب متحقق ہوں۔ اور لوازم و آثار مرتبہ حدوث و امکان جملہ مثبتی علم و ارادہ مشیت و قدرت سمع و بصر وغیرہ جو صفات کمال کا اس ذات عین صفات کمال کے لئے جیسے واجب الثبوت ہونا ضروری ایسے ہی حدوث و امکان و جملہ سمات نقصان سے تنزیہ و تقدیس اُس ذات مستجمع صفات کے نیز لازم۔ اور صفت کاملہ سبوحیت و قدوسیت کی اس تنزیہ کے لئے کافی دلیل۔ چنانچہ اسی صفت سبوحیت کو دلیل لا کر صفات حدوث و امکان و سمات عیب و نقصان مثلاً وجود شریک باری یا وجود ولد یا وجود لوازم بشریت وغیرہ سے کہیں یوں تنزیہ فرماتے ہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون۔ کہیں یوں ارشاد ہے۔ سبحانہ ان یکون لہ ولد۔ کہیں یوں ہدایت۔ کانایا کلان الطعام۔ جسم ہونا چونکہ ہیولی و صورت کا محتاج یا اجزائے لا تجزئی سے ترکیب اور ظاہر کہ وجود کل کو وجود اجزاء کی حاجت اور نیز ظاہر کہ احتیاج از جملہ صفات بلکہ عدم پر مرتب۔ پس وہ ذات مستجمع صفات کہ جملہ مراتب وجود و تمامی صفات کو محیط ہے اور عدم و تمامی شوائب و سمات عدم و صفات حدوث و امکان سے یہ ہمہ جہت منزہ۔ جسم ہونا یا جسم ہو کر پایا جانا اس کا کیونکر ممکن ہو بے شک ممتنع ہے۔ و بے شبہ محال نیز جسم ہونے کو متشکل ہونا ضرور۔ غذا کی حاجت، خیر و مکان کی ضرورت۔ حرکت یا سکون لازم اور ظاہر کہ تشکل بغیر احاطہ حدود ناممکن۔ اور احاطہ حدود احاطہ عدم سے عبارت اور یہ جملہ از جملہ حدوث و منجملہ سمات نقصان بلکہ عین آثار

صفات حدوث وامکان۔ اور پایا جانا ان آثار حدوث وامکان کافی ذاتہ تعالیٰ و تقدس محال۔ پس جسم ہو کر پایا جانا اس باری عز قدرتہ وجل مجدہ کا بوجہ استلزام ان محالات شتی کے نیز محال۔ نہ تحت قدرت داخل اور نہ تحت مشیت۔ عموم قدرت سے محالات و تمتعات باستثناء عقلی خارج بلکہ لفظ شئی کا مصداق۔ اصلی وہی ہے جو تحت مشیت داخل ہو۔ پس نہ تمتعات و محالات تحت ہذا العموم داخل ہیں اور نہ خود ذات و صفات باری عز وجل۔ پس جب صفات باری مقدور نہیں اور ثبوت ان کا لذاتہ تعالیٰ و تقدس واجب۔ صفت جسمیت لذاتہ تعالیٰ اگر ممکن الوجود ہوتی لازم تھا ابدی و ازلی ہو کر تحقق ہوتی نہ یوں کہ اذا شاء فعل و اذا لم یشاء لم یفعل۔ بالجملة باری عز وجل کا جسم ہو کر پایا جانا شرعاً و عقلاً ہر طرح ناممکن ہے وہ ہمہ جہت محال۔ کسی طرح نہ تحت قدرت داخل ہے نہ تحت مشیت اور جو ممکن جانے اور جائز رکھے گمراہ ہے۔ ایمان و اسلام اس کا خطر قوی سے خالی نہیں۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواہهم ان یتولون الا کذبا۔ واللہ سمدی من یشاء الی صراط مستقیم و هو بکل شیء علیم۔ فھوا علم بالصواب والیہ الرجوع فی کل باب۔ احقر الزمن احمد حسن امر وہی غفرلہ۔

(مطبوعہ ماہنامہ القاسم دیوبند شعبان المعظم ۱۳۲۸ نمبر اول جلد نمبر اول مدیر رسالہ حبیب الرحمن عثمانی) واہ واہ کیا شان ہے فتویٰ کی آپ نے دیکھا کہ کہنا صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جسم سے مبرا ہے۔ کیونکہ انسان ممکن الوجود ہے۔ اور جو ممکن الوجود ہے وہ حادث ہے یعنی فنا ہو جانے والا ہے۔ کیونکہ جسم فانی ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور غیر فانی ہے۔ لہذا اس کا جسم ہونا غیر ضروری ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ بقائے ابدی ہے۔

اس بات کو ثابت کرنے کے لئے مولانا احمد حسن محدث نے جو عقلی دلائل پیش کئے ہیں اور قرآن مجید سے استنباط کیا ہے۔ اس سے ان کے علوئے فکر اور علیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی علمی شان ان کے تمام فتاویٰ میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے ان کو زیور طبع سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ ایک اور بات یہ کہ ماہنامہ القاسم دیوبند کا پہلا شمارہ جلسہ دستار بندی ۱۳۲۸ء پر شائع ہوا تھا۔ اور اس میں مولانا حبیب الرحمن عثمانی نے اعلان کیا تھا کہ القاسم کے سرپرست حضرت مولانا احمد حسن صاحب

ہوں گے اور ان کے فیوض علمیہ سے ادارہ مستفیض ہوتا رہے گا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا احمد حسن محدث کس پایہ کہ عالم تھے۔ تمام علمائے دیوبند ان کی علیست کو مانتے تھے۔ اور ان کے علم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔ میرے دادا سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امرہ ہوئی نے اپنی جدوجہد سے جو عزت حاصل کی وہ میرے لئے باعث فخر اور تمام امت کے لئے سرمایہ ملت ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

نبیرہ

سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امرہ ہوئی

کراچی

آغاز سخن

اس میں شک نہیں کہ بزرگان اسلاف کی یاد تازہ رکھنے ان کے مواظظ و معلومات سے مستفید ہونے اور ان کے حالات و واقعات سے آگاہ اور ان کے افعال و اقوال سے سبق اور ان کے مانوخلات سے مستفید ہونے کا بہترین طریقہ ان کی سوانح کی ترتیب اور ان کی تالیفات و تصنیفات کی اشاعت ہے (افادات احمدیہ) جو آج کتابی صورت میں آپ کے پیش نظر ہے انہی اغراض و مقاصد کی فی الجملہ کفیل اور اسی مدعا و مقصود کی عملی تکمیل ہے۔

سید العلماء فخر المجد ثین حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امر دہوئی کے نام نامی اسم گرامی کی عظمت و شہرت اسکو لفظی تحسین و ستائش کی سطحی نمائش سے مستغنی بنانے کے لئے کافی ہے۔ حسن صورت حسن سیرت اور فضائل و کمالات ظاہری و باطنی کے بہت کم مدارج و مراتب ایسے ہونگے جو قدرت کے فیاض ہاتھوں نے مولانا ؒ مرحوم کو عطا نہ کئے ہوں آپ حسن و جمال صوری اور فضل و کمال معنوی کی مجسم تصویر تھے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت اور خداداد ذہن و ذکاوت اور خداداد علمی تبحر کی نسبت صرف یہ کہہ سکتے ہیں (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

آپ حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے سچے جانشین اور شیخ الطریقۃ شیخ العرب و العجم حضرت الحاج مولانا شاہ امداد اللہ صاحبؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کی تقاریر اور تحریرات نمونہ ہیں حضرت نانوتویؒ کی۔ اس لیے آپ کو قاسم ثانی کہا جاتا ہے۔ حضرت محدث امر دہوئیؒ کی وفات کے بعد متصل چند نایاب مضامین ہم نے طبع کرائے تھے۔ اور "افادات احمدیہ" کے نام سے ان کو شائع کیا تھا۔ اہل علم اور ملک نے ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس قدر وہ مقبول ہوئے کہ ہاتھوں ہاتھ وہ کتاب فروخت ہوئی اور آج اس کے نسخے کمیاب اور نادر ہیں۔

آج ہم ان مسائل اور اس کے ساتھ دیگر اہم مضامین شامل کر کے طبع کر رہے ہیں۔

جن کا مطالعہ موجودہ الحاد و دہریت کے دور میں مسلمانوں کے لئے از بس ضروری ہے۔ اور علمی ذوق رکھنے والوں اور طلبائے مدارس کے لئے خصوصی طور پر ان کا مطالعہ مذہبی اسلامی معلومات کے اضافہ کا باعث ہے۔ قیمتی اور نایاب مضامین جو آج تک منظر عام پر نہیں آئے ہم ان کو مسلمانوں کے افادہ عام کے لئے شائع کر رہے ہیں۔ اور وہ عجیب مضامین جن کی معلومات کے لئے علمی دنیا بے چین تھی آج ہم ان کو مطالعہ کے لئے سامنے لارہے ہیں۔ اگر اہل علم اور مسلمانوں نے ان کی قدر کی تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ دیگر مضامین بھی طبع کرا کے آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

اس لئے ہم اہل علم سے خصوصاً اور مسلمانوں سے عموماً گزارش کرتے ہیں کہ وہ اولین فرصت میں اس نادر کتاب کو اپنے مطالعہ کے لئے منتخب فرمائیں۔

اسلامی دنیا کے زبردست عالم جنکا تبحر علمی علماء کی جماعت میں مسلم ہے اس یکتا کے ملفوظات چند پیوں میں آپ کو مل رہے ہیں۔ گو عام مذاق بگڑ چکا ہے اسلامی کتب اور اسلامی لٹریچر سے دلچسپی نہیں ہے لیکن آج ان ہی کتب کے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے تاکہ ہم دہریت کے مسموم اثرات سے محفوظ رہ سکیں اسوجہ سے پہلے سے زیادہ آج اسلامی کتب اخلاقی کتب کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

حضرتؒ کی سوانح حیات قدرے تفصیل کے ساتھ تذکرہ مشائخ دیوبند مولفہ مولانا مفتی عزیز الرحمن بجنوری نے لکھے ہیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں کتاب کی طوالت کے پیش نظر بیان نہیں کیے گئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے حضرت مولانا کی وفات سے متاثر ہو کر جو اشعار فرمائے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند کی نظر میں حضرتؒ کا کس قدر اونچا مقام ہے۔ چند اشعار یاد ہیں نمونہ پیش کرتا ہوں

گم ہوئی تصویر قاسم آج صد حسرت ہمارے ہاتھ سے حضرت قاسم ثنائی دے گئے تھے ہم کو
اپنی اپنی جائے پر قائم ہیں سب اہل کمال پر جبکہ استاد کی خالی پڑی ہے دیکھ لو
لوگ کہتے چل بے علامہ احمد حسن میں یہ کہتا ہوں وفات قاسی ہے ہونہو

بادل پر یاس آئی کان مین میرے صدا حک ہوئی تصویر قاسم صفحہ دنیا سے لو
۲۹ ربیع الاول بعد نماز عشاء وصال فرمایا اور ۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۰ء بعد نماز ظہر اپنے قائم کردہ
مدرسۃ اسلامیہ جامع مسجد میں تدفین عمل میں آئی۔

۱۔ تشریح آیت کریمہ شریفہ

آیت شریفہ وما کان اللہ لیعذبکم وانت فیہم وما کان اللہ معذبکم وہم۔ مستغفرون
 بظاہر آیت پر شبہ واقع ہوتا ہے کہ بمقتضائے قاعدہ عربیہ یون فرماتے ما کان اللہ معذبکم وانت فیہم
 وما کان اللہ لیعذبکم وہم۔ مستغفرون۔ یعنی قاعدہ عربیہ یہہ ہے کہ جملہ فعلیہ کے ساتھ جملہ فعلیہ ذکر
 کرنا اور جملہ اسمیہ کے ساتھ جملہ اسمیہ ذکر کرنا مستحسن ہے پھر کیا وجہ کہ خداوند کریم نے جملہ فعلیہ
 کے ساتھ جملہ اسمیہ اور جملہ اسمیہ کے ساتھ جملہ فعلیہ ذکر فرمایا۔

در اصل اس پیرایہ کے اختیار فرمانے میں ایک بڑی حکمت غامضہ کی طرف اشارہ ہے
 اور عجیب نکتہ ہے وہ یہہ ہے کہ جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ تجد و حدوث
 پر دلالت کرتا ہے لہذا اولاً جملہ اسمیہ کیساتھ جملہ فعلیہ ذکر کرنا اشارہ اس طرف ہے کہ جیتک وجود
 محمدی ﷺ ثابت و مستقر دنیا میں ہے اوکو عذاب دائمی تو کیا معنی؟ وقتاً دوں وقت بھی عذاب نہیں
 دین گے۔ اور دوسرے جملہ میں جو جملہ فعلیہ کے ساتھ جملہ اسمیہ بیان فرمایا ہے اشارہ اس طرف
 ہے کہ جیتک وہ استغفار کجائیں گے ہم اوکو دائمی طور پر عذاب ندین گے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۲۔ تشریح آیت شریفہ

آیت شریفہ "سبحان الذی اسری بعبدہ لیلۃ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الخ۔ خداوند کریم
 جل و اعلیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو راتوں
 رات مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔ اس آیت سے معراج محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
 اور علوئے مرتبہ حضور کا اور شان محبوبیت کا اظہار بیان کرنا مقصود ہے۔

واقعہ معراج میں حضور سرور عالم ﷺ کو وہ مرتبہ ملا اور وہ قرب باری تعالیٰ عز اسمہ
 حاصل ہوا اور وہ راز و نیاز کی خداوند عالم سے باتیں ہوئیں کہ انبیاء سابقین اور جملہ خلایق میں نہ
 کسی کو یہہ مرتبہ حاصل ہوا اور نہ ہو جنکی مختصر تعریف یہہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ تو کی قصہ مختصر۔

چونکہ اس معراج میں ایسے ایسے امور عظام وقوع میں آئے جس کے محال اور غیر ممکن ہونے پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے۔ یعنی آسمان کا پھٹ جانا اور فرق و التیام کا ہونا جو عند الحکماء از جملہ مستحیلات ہے نیز جسم خاکی چیز اصلی تمت ہے نہ فوق اسکا جز اصلی اور میل کلی کو چھوڑ کر جانب فوق جانا یہ بہر از جملہ محال ہے ایسے ایسے امور بعید از عقل کا وقوع میں آتا تو مقتضی اس امر کا تھا کہ اس موقع پر اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرماتے اور ایسے الفاظ اختیار فرماتے جو خداوند عالم کی اعلیٰ درجہ عظمت اعلیٰ درجہ کی قوت پر دال ہوتے یعنی مثلاً یون فرماتے اَلْقَدْرِ الَّذِیْ اَسْرٰی بَعْدَ یَا جُو الْفَاظِ اَوْ سِکِیْ عَظَمَتِ کَے مناسب ہوتے وہ بیان فرماتے سبحان بیان فرمانے کا کیا موقع تھا کوئی یہاں ایسا غیب ہے جسکی پاکی بیان فرمائی جاتی ہے۔ صاحبو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہہ وقت معراج وہ وقت ہے کہ خداوند عالم اپنے محبوب کو اپنے پاس بلاتا ہے اور حضور کی محبوبیت اور اپنی عاشقیت کا اظہار کرتا مقصود ہے تو کیا عجب ہے کہ کوئی واہم اس حالت کو دیکھ کر یون خیال کر بیٹھے کہ خداوند پاک نہایت بے چین اور سوز و گداز میں بیتاب ہو کر اپنے محبوب کو بلاتا ہے حاشا یہہ وجہ نہیں وہاں بے چینی کیسی سوز و گداز کیسا۔ سوز و گداز اسکو ہو جو عاشق وصل محبوب پر قادر نہ ہو۔ خداوند عالم کو آپ سے تو کیا معنی؟ ہر فرد بشر سے اس درجہ قرب ہے کہ رگ گردن سے زیادہ خود ارشاد فرماتے ہیں (نحن اقرب الیہ من جبل الوریث) پھر اسکو مفارقت کیسی اور اسکو بے چینی اور سوز و گداز کیسا لہذا اس واہمہ کو رفع کر نیکی لیے ارشاد فرمایا (سبحان الذی) یعنی وہ ذات ایسے واہمہ اور خیالات باطلہ ہے پاک اور ایسے نقصانات سے بالکل بری ہے نیز یہی شبہ اس آیت شریفہ میں واقع ہوتا ہے کہ جب اس آیت سے شان تجدید اظہار کرنا مقصود ہے تو ایسے الفاظ بیان کرتے جو حضور سرور عالم ﷺ کی محبوبیت پر دال ہوتے یعنی خداوند عالم یون فرماتے کہ (سبحان الذی اسری محبوبہ یا بمطلوبہ) پر کیا وجہ کہ ان الفاظ کو چھوڑ کر لفظ (عبد) کو اختیار فرمایا سو صاحبو جواب اس شبہ کا یہہ ہے کہ جب خداوند عالم نے حضور نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم کی ایسی قدر فرمائی کہ اپنے پاس بلایا اور وہ علاقہ خصوصیت برتا کہ نہ کسی نبی سے ایسا برتاؤ ہوا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی کا آپکو مظہر ٹھہرایا تو کیا

عجب ہے کہ کوئی آپ کے ایسے کمالات کو دیکھ کر نعوذ باللہ خدایا خدا کا بیٹا کچے اور اسکی ذات و صفات میں آپکو شریک ٹھہرائے جیسے نصاریٰ نے کمالات عیسوی کو دیکھ کر حضرت عیسیٰ کو خدایا خدا کا بیٹا کہا لہذا خداوند کریم پہلے سے واہمہ کو رفع فرماتے ہیں کہ دیکھو ان کمالات محمدی اور اس عروج کو دیکھ کر کہیں محمد ﷺ کو خدا کا شریک ٹھہرا لیں وہ تو خدا کے بندے ہیں اور غلام نہ خدا کے شریک اور ساجدی دوسرے اس لفظ کے اختیار فرمانے میں ٹھیک اشارہ اسطرف کہ جو کچھ یہہ کمالات حضور کو حاصل ہوئے بندہ ہونکی وجہ سے ہوئے جو مقام بندگی میں کامل ہوگا وہی خداوند عالم کے ہاں بلند مرتبہ پر فائز ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۔ قرأۃ خلف الامام

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حنفی المذہب امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہے اور آمین بالجہد رفع یدین نہیں کرتا اور جو منع کیا جاتا ہے کہ قرأۃ خلف الامام منع ہے تو کہتا ہے کہ کوئی حدیث مرفوعہ منع کر نیکی بارہ میں آئی ہے تو کہلا دیا یہہ کہ الحمد امام کے پیچھے پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی اور گنہگار ہوتا ہے تو الحمد پڑھنی چہوڑ دوں گا اگر کوئی حدیث مرفوعہ آئی ہو تو معہ حوالہ کتاب مطلع فرمائیں۔

الجواب

آیت شریفہ (واذا قرأ القرآن فاستمعوا له لعلکم ترحمون) جسکا حاصل یہہ ہے کہ قرآن پاک پڑھتے وقت آداب قرآن یہہ ہے کہ خاموش ہو کر اسکو سنو اگر یوں آداب بجالاؤ گے تم پر رحم کیا جاویگا۔ یہہ آیت صاف طور پر اس بارے میں صراحتہ النص ہے کہ بحالت قرءۃ قرآن پاک ہم مامور بالسکوت ہیں سورہ فاتحہ ہو یا کچھ اور پڑھا جائے اب اس آیت کے ہوتے ہوئے حمی اگر قرءۃ خلف الامام سے منع فرمائیں تو کیا خطا۔ اور بمقابلہ اس حدیث (لا صلوة الا بفاتحہ الكتاب) کو جو واحد ہے اور ظنی الثبوت اگر ناکافی سمجھیں تو کیا بیجا۔ انصاف یہہ کہ

بمقابلہ آیت وہ اگر دوسری آیت جو دربارہ جواز قرعہ خلف الامام ہے مطالبہ کر سبجاء خود ہے اوپر لطف کہ دوسری حدیث جسکے رجال سند معتبر ہیں یوں وارد (من کان وراء الامام فقرأ الامام فقرأ له) جس سے مضمون آیت کی کھلی تائید اب (حدیث لا صلوة الا بفاتحه الكتاب) فی حق الفرد ہے یا فی حق الامام اور آیت مذکورہ اور حدیث ثانی فی حق المستندی۔ ہذا ہو مذہب امامنا الاعظم رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ المذہب حدیث و آیت میں کوئی تعارض نہیں اور دونوں پر عمل بخلاف مذہب ہذا غیرہ کے کہ اگر حدیث پر عمل ہے تو آیت اور حدیث ثانی پر ترک عمل لازم آتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۴۔ فاتحہ وغیرہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں کہ روحوں کا اپنے گھر شب جمعہ و شب برأت وغیرہ کو آنا اور بدعا کرنا عدم تصدیق پر اپنے اہل و عیال اور اولاد کو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں اس پر عقیدہ کرنا کہ روحمیں آتی ہیں کیسا ہے اور جو روحوں کی آنے کو درست بنانے وہ شخص متبع سنت ہے یا نہیں اور تیجہ و سوان وغیرہ جائز ہے یا نہیں اور مزارات پر چراغ جلانا۔ چادر و طعام و بالیدہ وغیرہ چڑھانا درست ہے یا نہیں اور طواف بھی کرنا اور فاتحہ فی زمانہ درست ہے یا نہیں۔ مانعین کو دہائی کہنا اور کوبرا کہنا اور تخصیص جمعرات کی سنت کہنا فاسد ہے یا نہیں۔

الجواب

مسائل مستفسرہ آپ کے اکثر وہ ہیں جنکو علماء کبار طے کر چکے ہیں تازہ جواب کی کیا ضرورت ہے مگر تعمیل حکم کرنی ضرور مجملہ جواب لکھتا ہوں۔ تفصیل سابقین کے کلام سے دریافت کر لیجئے۔ استاد لافاق حضرت مولانا محمد اسحق صاحب محدث دہلوی کی دو کتابیں ایک اربعین مسائل دوسری مائتہ مسائل حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب السیرۃ۔ ان میں اکثر اسی قسم کے مسائل تفصیل سے مذکور ہیں دیکھ لیجئے۔ خلاصہ یہ کہ نہ روحوں کا آنا جمعہ اور شب برأت کو حجتہ

شرعیہ سے نتیجہ نہ دسوان وغیرہ درست نہ کھانے پر فاتحہ درود پڑھنا لازم نہ مقابلہ پر چراغ وغیرہ جانا نہ ان کا طواف کرنا درست جملہ از جملہ بدعات ہیں اور منجملہ منکرات — ایصالِ ثواب سے انکار نہیں مگر شریعت نے اس کو مطلق رکھا ہے کسی وقت یا کسی زمانہ یا کسی بہت خاصہ کی اوس میں قید نہیں اپنی طرف سے قید کا اوس میں داخل کرنا اور مطلق شرعی مقید کرنا بے شک بدعت ہے اور احداث فی الدین ہے اور شرعاً مقبول (مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا لَيْسَ فِيهِ فُورٌ) کھانے کا ثواب جدا ہے اور الحمد شریف پڑھنے کا جدا نہ یہ اوپر موقوف ہے نہ وہ اس پر موقوف اتقاناً و احیاناً نہ لذو نا کھانیکے ساتھ الحمد شریف یا کچھ اور سورۃ وغیرہ اگر پڑھ لیا جائے تو مضائقہ نہیں مگر چونکہ عوام عقیدۃ الحمد خوانی کو ضروری جانتے ہیں اور بغیر اس کے ایصالِ ثواب کو ناممکن سمجھتے ہیں لہذا ممانعت لازم اور ترک اس کا بہ مصلحت دین ضرور۔ جو شخص ان بدعات و رسومات کا قائل ہے اور ان کو داخل دین سمجھتا ہے اور تارک پر ملامت کرتا ہے وہ بے شک بدعتی ہے اور تارک السنہ۔

۲۔ نکاح ثانی کو عیب جاننا سخت درجہ مذموم ہے اندیشہ ہے ایمان ہاتھ سے جائے اور کافر قرار پائے۔ قرآن پاک میں خود ارشاد ہے (خُبَابٌ وَابْكَارٌ) نیز ارشاد ہے (وَإِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ النِّكَاحَ فَلَا تَزِرُ وَازِرَتَكُمْ فِيهِ شَيْءٌ) حضرت سرور عالم ﷺ نے قولاً احادیث کثیرہ میں نکاح ثانی کی ہدایت فرمائی۔ صاحبزادیوں نے نکاح ثانی کیا ازواجِ مطہرات سوائے حضرت عائشہ صدیقہ کے جملہ حضرت خدیجہ الکبریٰ جو حضرت فاطمہ کی والدہ ماجدہ ہیں حضور کے نکاح میں بیوہ ہو کر آئیں پس خود واضح ہے کہ نکاح ثانی کا برا کہنے والا کس مرتبہ گستاخ اور کیسا بے دین اعازنا اللہ منہ

۳۔ امامت کے لئے قبیح سنت و عالم بالسنۃ مستحق ہے اہل بدعت و مرتکب کبار کو جو شرعاً فاسق ہے امام نہ بنایا جائے شرافت نسبی جب ہی قابلِ لحاظ ہے کہ اعمال اچھے ہوں ورنہ صاحبزادہ حضرت نوح کو باوجود نبی زادہ ہونے کے ان کے اعمال بد کی بنا پر فرمایا جاتا ہے (انہ لیس من ابلیک انہ عمل غیر صالح) واللہ سبحانہ تعالیٰ و علمہ اتم۔

۵۔ مصافحہ بعد العصر والفجر کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ بعد العصر وبعد الفجر مصافحہ کرنا کیسا ہے آیا سہ یا مباح یا مکروہ؟

الجواب الحمد لله وكفى والصلوة والسلام على عباده الذين اصطفى

احکام دین وادامردنواہی شرعیہ دو قسم پر ہیں اول وہ جنکو مقید بقیود و محدود بالحدود کر کے مشروع کیا ہے اور بیات خاصہ اور ازمنہ وامکنہ مخصوصہ کو اسکی مشروعیہ کے ساتھ ماخوذ مثلاً صوم۔ صلوٰۃ یا ارکان حج وغیرہ اسی قسم کے احکام اسے وادامردنواہی کو مقید شرعی کہتے ہیں۔ دوسری وہ جنکی مشروعیہ میں مرتبہ اطلاق ماخوذ ہے نہ بیات خاصہ اسکی مشروعیہ میں ماخوذ ہیں اور نہ امکنہ یا ازمنہ مخصوصہ جیسے جہاد و ایصال ثواب انہی احکام وادامردنواہی کو مطلق شرعی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد معلوم ہو کہ مقید شرعی کو مطلق یا مطلق شرعی کو مقید قرار دینا یعنی بصورتہ اطلاق مقید ان بیات خاصہ اور ازمنہ وامکنہ مخصوصہ کو جو اسکی مشروعیہ کے ساتھ ماخوذ ہے غیر ضروری سمجھنا اور بصورتہ تقید المطلق اول بیات خاصہ یا کسی زمان خاص و مکان خاص کو داخل مشروعیہ جاننا اور اسکے ساتھ ضم کرنا دونوں بدعت ہیں اور بحکم حدیث صحیح (من احدث فی امرنا ہذا مالیس فیہ فہو رد) شرعاً مذموم و مردود بلکہ لفظ احدث جو لفظ وجود منقول کو چاہتا ہے جیسا کہ صورتہ ثانی یعنی فی صورتہ تقید المطلق و ضم القیود فی مرتبہ اطلاقہ میں واضح صادق ہے اور صورتہ اولیٰ یعنی فی صورتہ اطلاق المقید و رفع قیودہ میں صادق نہیں گو بعد تاویل ان الصوم المقید فی حکم الوجود و الرفع الثابت بمزلة الثبوت یہ صورتہ اولیٰ نیز مصداق احداث ہے۔ اور دونوں صورت حدیث صحیح مذکور کے عموم میں داخل ہو کر مذموم و مردود ہیں اور از جملہ بدعات و منجملہ سیئات۔ اعتقاد مشروعیہ صورتین مذکور تین کا بدعت ہے اور ارتکاب اونکا گمراہی ہے۔

مختصر اور صاف مطلب یہ ہے کہ جو احکام مطلق ہیں کسی قید کے ساتھ مقید نہیں او کو کسی قید کے ساتھ مقید کرنا بدعت ہے اور اسی طرح جو احکام کسی قید کے ساتھ مقید ہیں اونے قید ہٹالینا اور مطلق کر دینا یہ بھی بدعت ہے اور یہی حدیث کا مطلب ہے۔ شارح نے وادامردنواہی کو

جس طرح بیان کیا ہے اوسمیں اس طرح کا اپنی طرف سے تغیر و تبدل کرنا بدعت ہے۔

حضور سرور عالم ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں (كُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ)

مصافحہ نیز از قسم ثانی ہے بلکہ من وجہ مقید ہے اور من وجہ مطلق۔ یعنی بعد اعتبار قید بعد الملاقات شارع نے باعتبار زمان و مکان فی اکلی مکان فی اکلی زمان یعنی کہ مشروع فرمایا ہے اور بعد قید بعد الملاقات کے زمان خاص یا مکان خاص کی قید اوسکی مشروعیہ کے ساتھ ماخوذ نہیں اوس میں سے قید بعد الملاقات کے اٹھا کر بعد صلوٰۃ العصر یا بعد صلوٰۃ الفجر یا بعد مطلق صلوٰۃ کی قید کے ساتھ اوسکو قید کرنا باعتبار مطلق شرعی کو مقید کرنا ہے اور باعتبار آخر مقید شرعی کو مطلق اور نظر ہر دو اعتبار احداث فی الدین ہے اور داخل بدعتہ ہے۔ اکابرین دین من المتقہاء والمحدثین کا اوسکی کرہتہ اور ناجوازی پر فتویٰ دینا بہت درست ہے اور مطابق احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ اور نیز مطابق اصول شرعیہ ودلائل عقلیہ اور قبحین اکابر دین اوسکو مکروہ کہنا یا بدعت سمجھنا غیر صحیح ہے جو شخص مکروہ جانے یا فتویٰ کرہت کا دے اوسکو گمراہ کہنا خود گمراہی ہے اور قائلان کرہتہ کو مرتد سمجھنا سخت مذہب بلکہ جگمگ حدیث صحیح خطرہ قوی ہے کہ کہنے والا خود مرتد قرار پائے۔ اعاذنا اللہ و سائر المسلمین۔

بلا جہ شرعیہ کسی عام یا خاص یا ان قبوات مذکورہ کو شرعیہ مصافحہ کرنا ساتھ مشروع قرار دینا یا ایوم غیبیہ (قائم رجال و نحن رجال) درست نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم علمہ اتم

۶۔ حرمت سود

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بنظر حالت موجودہ و افلاس مسلمانوں کے لیے کیا سود کا لین دین خواہ آپس میں خواہ غیر اقوام سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سود خواری اشنع ترین اعمال میں سے ہے۔ حضور نبی کریم علیہ التیات والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں کہ سود کے کھانے اور کھلانے والے پر اور اوسکے کاتب اور گواہ پر اللہ برتر کی لعنت ہے

یعنی یہ اشخاص رحمت الہی سے دور ہیں قرآن پاک میں جو وعید شدید آ کلین ربوا پر فرمائی ہے ایسی دوسروں پر نہیں (فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ) یعنی خبردار ہوا اگر سود خواری نہ چھوڑ دے تو خدا اور رسول تم سے لڑے گا۔ یعنی تم خدا اور رسول کے دشمن قرار پاؤ گے۔ ایسے گناہ شیع کے جواز کا فتویٰ کیونکر ہو سکتا ہے بے شک سود خواری حرام ہے اور قطعاً حرام ہے اہل اسلام پر واجب کہ تجارت زراعت وغیرہ امور کو وجہ معاش سمجھیں اور سود خواری کو فی کل حال حرام جانیں فقہاء علیہ الرحمۃ نے جو دارالاسلام میں سکونت رکھتے ہیں اور بہ نظر قیام چند روزہ دارالحرب میں بطور امان داخل ہوں اوکو چونکہ حربین کا مال مباح الاصل کہا ہے اگر وہ چاہیں تو بحیلہ مذکورہ اہل حرب کا مال لے سکتے ہیں یہ نہیں کہ خود وہاں کے مسلمان اون اہل حرب یعنی کفار دارالحرب یا مسلمان دارالحرب سے باہم سود خواری کا معاملہ کریں۔ وہ چونکہ ذمیان کفار سے ہیں خود از جملہ اہل حرب ہیں انکے حق میں نہ اموال اہل حرب مباح نہ یہہ حیلہ جائز۔ (ہدایہ میں ہے لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب) وقال محشی فی ذیل هذا القول (الذی دخل دارالحرب فی امان) بالجملہ یہ حکم مخصوص ہے ساتھ مسلمانان دارالاسلام کے۔ مسلمانان دارالحرب اس حکم سے مستمع نہیں ہو سکتے نیز بین المتقبا، یہہ حکم متفق علیہ نہیں امام ابو یوسف امام شافعی وغیرہ علیہم الرحمۃ اسکے مخالف ہیں (یعنی وہ دونوں صورتوں میں منع فرماتے ہیں پس بر بناء ان روایات کے ربوا کو جائز سمجھتا ہی غلطی ہے مسلمانان ہند کو بنظر حالات موجودہ و بنظر افلاس کسی طرح ربوا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

نوٹ امام ابو یوسف و امام شافعی دارالحرب میں بھی مسلم کو سود خواری کی اجازت نہیں دیتے اگرچہ وہ مسلمان دارالاسلام سے برائے چندے امان کے ساتھ آیا ہو۔ بہر حال سود کا دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں یہاں تک کہ سودی معاملہ میں کاتب اور گواہ سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے ناراض ہوتے ہیں اس وجہ سے سب گنہگار اور وعید میں سب داخل ہو گئے۔

۷۔ مفتود النحر

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عرصہ دو سال سے مفتود النحر ہے
اوہی زوجہ نے نکاح ثانی دوسرے شخص سے کر لیا ہے اس نکاح کو عرصہ ایک سال گزر چکا ہے اس
حالت میں نکاح ثانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب ہمارے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مفتود النحر کی زوجہ کا نکاح کو نو سال گزرنے کے
بعد صحیح ہے مگر بصورت اندیشہ زنا اور بحالت ضرورت شدیدہ و بعالم مجبوری امام مالک علیہ الرحمہ
کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیکر چار سالہ مدت کے بعد نکاح کر دینا جائز اور مباح ہے صورت
مستفسرہ میں چونکہ دو سالہ مدت میں زوجہ مفتود النحر نے نکاح کر لیا لہذا نکاح صحیح نہیں ہے۔
نوٹ یعنی امام مالک کے مذہب پر عورت چار سال کے بعد بعد از تفریق و عدت نکاح کر سکتی
ہے۔

۸۔ وظیفہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ

۱۔ یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا وظیفہ پڑھنا کیسا ہے؟

۲۔ اس ملک کے لوگ ہر نماز کے بعد بغداد شریف کی طرف دست بستہ کھڑے ہو کر کہتے ہیں یا
حضرت مدد کرو وغیرہ۔ بعض جھک جاتے ہیں۔ بعض قدم مارتے ہیں بعض سے پوچھا گیا کہ
حضرت صاحب تمہاری عرض سن رہے ہیں تو وہ کہتے ہیں تمام جہاں کو دیکھ رہے ہیں۔

۳۔ استمداد جو جائز ہے اوہی کیا صورت ہے؟

جواب اگر ارباب احوال صادقہ پر یہ حال صادق پیش آئے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ ادکوا اپنے
غلبہ حال میں حاضری مجلس میں نظر آویں تو ایسا مغلوب الحال اپنے اوس حضور خیال کی بنا پر تنظی یا
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کہہ بیٹھے تو مضائقہ نہیں وہ مغلوب الحال مورد ملامت نہیں (والسکاری
معدورون مگر جواز اس کلمہ کا چونکہ بعد از حالت صادقہ ہے اور ظاہر کہ حال وارده کو بقاء نہیں پس

وظیفہ اس کلمہ کا جو مواعظت کو چاہتا ہے اور اباب احوال کو نیز جائز نہیں چہ جائیکہ عوام کو بلکہ ظاہر و متبادر مفہوم کلمہ ہذا یہ ہے کہ شیخ علیہ الرحمہ کو حاضر و ناظر کا رخا نہ قدرت الہیہ کا شریک یا دخل کا سمجھ کر پکارا جاتا ہے اور ظاہر کہ یہ کھلا شرک ہے اور باعتبار اس معنی متبادرہ کے ضرور موہم شرک۔ اور الفاظ موہومہ کے اطلاق سے اس مرتبہ زجر شدید کہ گروہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جنکے ہر رگ و پے میں عظمت محمدی ﷺ اس مرتبہ راسخ ہے کہ اور حضرات سے واہمہ اہانت قطعی ناممکن تھا باہمہ لفظ (راعنا جو موہم تو ہیں محمدی تھا اسکے اطلاق سے اور حضرات مقدسہ گروہ صحابہ کے ممانعت شدید فرمائی جاتی ہے بلکہ یوں ارشاد ہے (یا ایہا الذین آمنوا اتقوا راعنا وقلوا انظرنا) دوسرے عوام یا خواص امتہ کو ایسے الفاظ موہومہ کا اطلاق کیونکر جائز ہوگا بیشک ممنوع ہے اور ہرگز جائز نہیں بلکہ اگر معنی متبادرہ لیکر ہو تحقیقا شرک ہے اعاذنا الیہ منہ

۲۔ صورتہ مستفسرہ باہتمام ناجائز ہیں اور از جملہ بدعات شنیعہ بلکہ یوں سمجھنا کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا علم محیط بالکل ہے اور تمام جہان کو دیکھ رہے ہیں کھلا شرک ہے۔ (لا یعلم الغیب الا اللہ) ۳۔ مقربان خداوندی و خاصگان درگاہ الہی حضرات انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین و جملہ اولیاء اللہ کو وسیلہ بنا کر بدرگاہ قاضی الحاجات و وحدہ لا شریک لہ یوں دعا کرے کہ خدائے برتر بتو سل اپنے مقربان خاص مجھ ناچیز تا کس پر رحم فرمائے بے تردید صحیح ہے اور جائز اور کارخانہ قدرت کا دخل سمجھنا ممنوع ہے اور تو سل درست ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۹۔ آب چاہ مشترک مسلم و غیر مسلم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں ایک ہی چاہ پختہ ہے مختلف قومین اس موضع میں آباد ہیں۔ مسلمان، ہندو، پست اقوام وغیرہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے گھاٹ سے پانی بھرتے ہیں ایسے حالات میں چاہ مذکورہ کا پانی پاک رہے گا یا نہیں۔

الجواب

پانی بالیقین طاہر و پاک ہے اور یہ مسلم کہ یقین لایز دل بالشک۔ پس جبکہ مُزِیل طہارت یعنی نجاست نہ مخلوط ہو، پانی کو کسی واہمہ اور شک کی بنا پر ناپاک نہیں کہہ سکتے اور وہ ظروف جن سے پانی بھرتے ہیں اگر نہ خود ناپاک نہیں نہ کوئی اور نجاست او کو تلوگی ہے تو بھرنے والا کوئی ہو پانی پاک رہے گا۔ البتہ اگر ظن غالب ان ظروف کے ناپاک ہونے کا ہے تو ضرور صوریۃ احتیاط اور اجماع العوام والخاص یہہ ہے کہ ایسے کوئین سے پانی نہ بھریں اور اس کے استعمال سے حذر کریں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۱۰۔ تقلید

بند و نحیف خادم المطلبہ احقر الزمن احمد حسن غفرلہ۔ بخند مت برادر مکرم گرامی قدر تقاضی ظہور الحسن صاحب بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے والا نامہ مرسلہ پہنچا۔ مضمون مندرجہ مورث ہزار حیرت عزیز من یہہ جملہ خطرات وادہام از جملہ وسواس الشیطانیین ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ بے شبہ اثر اوس آزادی کا جو بحکم (الناس علی دین ملوکم) اکثر رعایا کے طبائع میں جاگزین ہے یا فرقہ باغیہ نیچر یہ محبت بد و مجالستہ شبانہ روزی شاید پیدا ہوا ہے۔ اے عزیز تم جیسے حلیم الطبع نیک سیرت محب العلماء والفقرا ایسے خیالات زبون کا ہونا زیادہ مستعبد ہے۔ علماء امتہ نے اس نقل مذہب تلعب فی الدین لکھا ہے اور اس کے مرتکب کو مستحق زجر۔

مرتحسین امتہ کو البتہ جائز ہے کہ وے حضرات بحکم ترجیح دلائل عقلیہ و نقلیہ خواہ نقل مذہب کریں خواہ کسی مسئلہ خاص میں دوسرے مجتہد کی تقلید۔ ہم جیسے عوام کو یہی نقل مذہب یا ترک تقلید فی مسئلہ دون مسئلہ کسی طرح جائز نہیں الخذر الخذر

پابندی مذہب و تقلید شخصی بیشک بڑی مصلحتہ عظیمہ ویدیہ پر مبنی ہے اور ضرور نظام دین و اصلاح دین اس پر متوقف و نظر بر آن فی حق العوام تقلید شخصی واجب و ترک اس کا فی فقہ ناجائز۔

دیکھو کس کس نے اس آزادی غیر مقلدی و خود مختاری کے بسم اللہ شروع کی اور انجام کمان تک پہنچا بیشک یہ پہلا سبق ہے کہ آج اس امام کو چوڑا دوسرے کے مقلد ہوئے اور علیٰ ہذا اکل تیسرے کے۔ مسلم مذاہب اربعہ حق ہیں اور حق دائر ہے بین المذاہب الاربعہ۔ نہ یہ کہ ہر مذہب حق ہے۔ مقلد جنکا مقلد ہے فی ظنہ اس مذہب کو حق سمجھتا ہے اور دوسروں کو فی زعمہ باطل۔ اپنے امام کا مذہب بے شبہ راجح دوسرا مرجوح۔ پس بمقابلہ راجح عمل بالمرجوح کیونکر جائز ہے اور بمقابلہ حق فی ظنہ کے باطل فی زعمہ کو اخذ کرنا کب درست۔

نوٹ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص چاروں اماموں میں سے کسی کی تقلید کرے گا تو اسکو اچھا اور بہتر جان کر تقلید کرے گا ایسی صورت میں دوسرے کی تقلید کو غیر ضروری سمجھے گا اور اسکا مذہب مرجوح اسکی نظر میں ہوگا نیز مقام غور و انصاف ہے کہ اپنے علماء مذہب کی برات دون صحبت نصیب مذہبی کتابوں کا مطالعہ میسر اوپر یہ زائد کہ فروعات مذہب میں علماء مذہب کی بات بات میں ضرورت اور دوبارہ دریافت احکام جزئیہ ان حضرات علماء کی کس مرتبہ حاجت۔ جس مجتہد کی نہ صحبت میسر ہو سکی نہ کتب مذہب دستیاب اسکے مقلد کو بات بات میں کس مرتبہ بھٹکنا پڑے گا۔

مولانا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ عالم رویا میں حضور سرور عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے منجملہ دیگر معروضات کے عرض کیا میں چاہتا ہوں غیر مقلد ہو کر رہوں فرمایا ہرگز نہیں فی زمانہ مذہب مقلد رہنا بہت ضروری اور آزادی بہت مضر۔ عرض کیا کسی تقلید کروں فرمایا یہ وہ وقت ہے کہ جہالت غالب ہے مستحبات دین و مکروہات جائز نا جائز۔ بدعتہ و سنۃ مخلوط ہے اور تمیز فیما بینہما مستعد مذہب ابو حنیفہ جسکی بناء و رع و احتیاط ہے اسکو اختیار کرو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں دونوں امر بہ پابندی ارشاد حضور کرنی پڑیں ورنہ میری طبیعت مائل بہ آزادی تھی۔

اور بہ صورتہ تقلید مسائل مذہب امام مالک

جب مرتجعین امتہ و راجحین فی العلم یوں محکوم ہوں اور فی ہضم تقلید کو ضروری فرما کر

خاص تقلید مذہب امام ابو حنیفہؒ ہدایت ہو اور بر بناء اس امر کے کہ امام علیہ الرحمۃ نے درع اور احتیاط کو زیادہ ملحوظ رکھا ہے دلائل مشتبہ چھوڑ کر امور مشتبہ سے حذر کیا خاص مذہب امام کو دیگر مذاہب پر ترجیح دین میرا اور آپ کا کیا حکم اور بمقابلہ ترجیح حضور صلوات اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے کے ترجیح کیونکر (بحکم حدیث من رأى فی المنام فقد رأى فی فان الشیطان لا یمثل ربی) حضور کا خواب میں کچھ ارشاد فرماتا ہے شبہ لائق احتجاج ہے اور بمقابلہ اسکے دوسرے خیالات ضرور از جملہ اضغاث احلام۔

مولانا کا یہ خواب مطیع فاروقی میں مولانا کے کسی رسالہ کیساتھ طبع بھی ہو گیا ہے اور مل بھی سکتا ہے۔

بالجملہ نحیف مزید اہتمام و تبلیغ تاکید کے ساتھ ایسے خیالات کی پابندی سے منع کرنا ہوں۔ کچھ دن لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اگر ہو سکے پانچ صد مرتبہ بعد نماز صبح و بعد نماز عشاء مزاولت رکھو انشاء اللہ تعالیٰ خود قلب میں سلامت پیدا ہو جائیگی اور وہ نور علم انشاء اللہ منکشف ہوگا جس سے ان خیالات باطلہ کا بطلان خود واضح معلوم ہو۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۱۱۔ اشعار اردو فی الخطبہ وغیرہ

- ۱۔ خطبہ جو اشعار اردو درج ہیں وہ روز جمعہ خواندگی خطبہ میں جائز ہے یا نہیں
- بروز جمعہ قبل از خواندگی خطبہ جو آذان ہوتی ہے صف اول رو برو امام ہونی چاہی اگر صف دوسری یا تیسری میں ہو جائے تو وہ بھی جائز ہے یا نہیں
- بعض اشخاص یہ کہتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں کہ صف اول پر منحصر نہیں بلکہ دوسری میں یا تیسری میں پڑھے۔ ثبوت یہ دیتے ہیں کہ مسجد دہلی میں باہر ممبر پر پڑھتے ہیں اور اشعار کا پڑھنا در خطبہ بدعت بتلاتے ہیں۔
- ۳۔ ایک شخص نے کہا کہ بروز جمعہ اگر چالیس آدمی شریک جماعت جمعہ نہوں وہ نماز جائز نہیں۔

۴۔ ایک لڑکی ہے اسکے والدین موجود ہیں باعث تنگدستی اور افلاس زمانہ سے مجبور ہو کر میان بیوی میں تفرقہ ہو گیا یعنی علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ بیوی نے اپنی رائے اور تجویز سے کچھ لیکر بلا اجازت اپنے خاوند کے نکاح کر دیا وہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔

۵۔ ایک عورت ہے اسکے خاوند کو دس سال ہوئے قید ہو گئے وہ عورت اپنے بسراوقات کیواسطے نکاح کرنا چاہتی ہے اور خاوند اجازت نہیں دیتا اور نکاح اسکی بلا اجازت خاوند کے کوئی نہیں کر سکتا اس صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں۔

جواب

۱۔ اردو اشعار کا خطبہ میں پڑھنا جائز نہیں بدعت ہے۔

۲۔ دوسری اذان جو خطبہ کے وقت ہوتی ہے اوسمین امام کے سامنے ہونا کافی ہے۔ صف اول میں ہونا ضروری نہیں۔ اگر مجمع زیادہ ہو دوسری تیسری صف وغیرہ میں ہونا اس اذان کا صحیح ہے۔

۳۔ از جملہ شرائط جمعہ جماعت ہے اور جماعت کا ادنیٰ درجہ تین اشخاص ہیں علاوہ امام کے پس اگر تین مقتدی بھی ہوں جمعہ صحیح ہے۔

۴۔ چوتھے سوال کا مطلب واضح طور پر نہ سمجھا اگر مراد یہ ہے کہ بعد علیحدگی بین الزوجین عورت نے جو اس لڑکی کی والدہ ہے بغیر اجازت خاوند یعنی پدر مرد نکاح کر دیا پس اگر دختر نابالغ ہے تو ولدیت نکاح باپ کا حق ہے۔ بغیر اجازت اس کے نکاح صحیح نہیں۔

اور اگر یہ مراد ہے کہ اس لڑکی نے بعد علیحدگی خاوند اپنا دوسرا نکاح بغیر اجازت خاوند اول کر لیا تو جواب یہ ہے کہ خاوند اول نے اگر نکاح سے علیحدہ کر دیا تھا اور طلاق دیدی تھی تو اب عورت دوسرا نکاح کرنے میں خود مختار ہے نکاح اس کا ہو گیا۔

۵۔ جس عورت کا خاوند زندہ ہے اور اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق نہیں دی وہ عورت نکاح اپنا دوسریے نہیں کر سکتی اور اگر کیا ناجائز ہے اور محبت حرام۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین لڑکے ہیں اور تین لڑکیاں۔ زید نے اپنی حیات میں کچھ اپنی جائیداد دکان اور باغ وغیرہ کا فرضی بیعت نامہ اپنے تینوں لڑکوں کے نام بالا شراک لکھ دیا اور اس بیعت نامہ میں قیمت کی وصولیابی یا معافی بھی تحریر کر دی۔ زید کے لڑکوں میں نہ تو ادائے ثمن کی وسعت تھی اور نہ بقاعدہ شرعی زید میں اور نہ اس کے لڑکوں میں بائع مشتری کے سے معاملات پیش آئے صرف بیعت نامہ فرضی لکھ دیا گیا۔ زید نے معتبر اشخاص کے روبرو یہ بھی کہا کہ مجھے اس بیعت نامہ سے لڑکوں کا محروم کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ٹیکس سرکاری سے بچنا مقصود ہے۔ چنانچہ زید صی عمر بھر اس جائیداد پر قابض و متصرف رہا۔ لڑکوں کی کوئی مداخلت مالکانہ نہیں ہوتی اب سوال صرف اس قدر ہے کہ بیعت فرضی سے شرعاً بیعت صحیح ہے یا بہ۔ اور زید کے انتقال کے بعد اس جائیداد میں زید کی لڑکیوں کو بھی حصہ شرعی مل سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

مدار عقد بیع اور مدار عقد ہبہ اوپر موقوف ہے کہ رکنین عقد یعنی ایجاب و قبول کا منجانب متعاقدین یعنی بائع و مشتری یا داہب و موہوب کہ متحقق ہو اور ہبہ کیلئے موہوب لہ کا قابض کرنا لازم بیعت نامہ یا ہبہ نامہ جسکو دستاویز کہتے ہیں وہ صرف یا دداشت عقد ہے اوپر مدار عقد نہیں اور جب تک ایجاب و قبول کا وجود نہ ثابت ہو صرف وجود دستاویز تحقق عقد کے بارہ میں کافی نہیں۔

نیز دستاویز کو غایۃ مانی الباب اقرار المقرر صرف بحق مقرنی حکم الا ایجاب کہہ سکتے ہیں اور ظاہر کہ تنہا ایجاب در بارہ تحقق عقد کافی نہیں اور یہہ خود ظاہر کہ موافق قواعد شرعیہ کوئی معاملہ بائع مشتری کا سادقوع میں نہیں آیا۔ مدت العمر خود زید بائع یا داہب اس جائیداد مبیعہ پر مالکانہ قابض و متصرف رہا اور پسران زید کو کبھی کوئی مداخلت مالکانہ نہیں ہوئی پس شرعاً اس عقد کا کوئی وجود نہیں ہے بے شک کالعدم ہے۔ اور بعد وفات زید وارثان زید اولاد پوری و دختر و غیرہ جملہ اپنے اپنے حصہ شرعیہ مستحق ہیں۔ ذالک فی الکتب الفقہ۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زندگی میں جائداد لڑکیوں کو لکھ دی اور بعد کو مر گیا در عرصہ تین چار ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا اس صورت میں تحریر زید کی درست ہے یا نہیں کیونکہ لڑکا پیدا ہونا بعد کو ہوا ہے اور اس وقت زید کی زوجہ و سرائکاح کرنا چاہتی ہے اور زید کی لڑکیاں حصہ جائداد میں اپنی والدہ کو دینا نہیں چاہتیں اس حالت میں موافق شرع شریف کیا حکم ہے۔

جواب

زید نے جو اپنی کل جائداد لڑکیوں کو لکھ دی ہے یہ ایک صورت ہیہ ہے اور وہ عقد شرعی ہے جس میں ایجاب و قبول کا ہونا ضروری ہے یعنی منجانب و اہب ایجاب موبوب کا قبول اور بعد ایجاب و قبول قبضہ کر دینا لازم اور بغیر قبضہ کرائے نامتام۔ سوال سے فقط لکھنا ثابت ہوتا ہے نہ ایجاب و قبول کا کوئی ذکر ہے نہ قبضہ کا بس مجرد کہہ دینے سے ہیہ ثابت نہیں ہو سکتا اور مذکورہ بالا صورت میں در ثاء میں ترکہ تقسیم ہوگا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۱۴۔ مسائل مختلفہ میلا دو غیرہ

- ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ لفظ یا رسول اللہ کہنا بدون انضمام صلوٰۃ یا سلام کے جائز ہے یا نہیں۔
- ۲۔ مجلس میلا دو میں قیام کرنا جائز ہے یا نہیں۔
- ۳۔ روح محمد ﷺ کو ہر جا حاضر جاننا اور ہر کام اور ہر بات سمیع و بصیر جاننا یا کسی خاص مجلس میلا دیا وقت ندا کے یا درود شریف پڑھتے وقت حاضر و ناظر جاننا جائز ہے یا نہیں اور حاضر جاننے والا کافر ہے یا نہیں۔

جواب

لفظ یا رسول اللہ کہنا بدون انضمام لفظ صلوٰۃ یا سلام جائز نہیں۔ ندا کیلئے منادئی کا حاضر ہونا شرط ہے اور فی کل وقت و مکان و فی کل حال و زمان حاضر و ناظر ہونا مخصوصات باری تعالیٰ

ہے دوسرے کے دلوکان نینا دلوکان ملکا ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا اور بالفاظ خدا پکارنا البتہ صورتہ شرک ہے۔ حضوری روح محمدی صلعم اگر عام ہوتی تو ملائکہ کو تحفہ درود کے تبلیغ کیواسطے کیون مقرر فرمایا جاتا ہو ثابت بالا حادیث۔

اور چونکہ ملائکہ اس خدمت تبلیغ پر مقرر ہیں یہی وجہ ہے کہ درود کے ساتھ یا رسول اللہ کہنا نیز جائز ہے۔ ار باب احوال صادقہ کو اگر فی وقت حضوری حضور اقدس ہوئی ہو اور ایسی حالت خاصہ میں اذنہوں نے یا رسول اللہ کہا ہو یا آثار حقیقہ محمدیہ کو جو اپنے حقیقت ممکنہ میں جلوہ گر ہے مخاطب بنا کر ندا کی ہو نہ بر بناء اعتقاد حضوری روح محمدی فی کل وقت و مکان تو وہ حضرات معذور ہیں (والسکاری معذرون) یا بالجملہ دور بیٹھے بالفاظ خدا حضور کو پکارنا اور یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں اور موہم شرک ہے البتہ بروقت حاضری روضہ اطہر اوس حیات النبی کو یا رسول اللہ کہنا یا اس لفظ کو ضمیمہ درود و سلام کرنا دونوں صحیح ہیں اور غائبانہ ندا نیز مرتبہ ادب کے اس مرتبہ خلاف ہے کہ بعالم حیات محمدی جو وراء الحجرات آپکوندا کرتے تھے اوکی نسبت ارشاد ہے (والذین ینادونک من وراء الحجرات اکثر ہم لا یعقلون) اب بعد وفات محمدی صلعم یون بمرحل دور ہو کر ندا کرتا ہو کیونکہ نہ گستاخی ہوگی اور کیونکہ نہ مرتبہ ادب سے دور۔ بیشک یہہندانہ ادباً صحیح ہے اور نہ شرعاً جائز ہے۔

۲۔ مجلس میلاد میں عند ذکر ولادۃ صلعم قیام کرنا اگر بغیر اعتقاد حضوری صلعم تو گو بوجہ عدم ثبوت شرعی جائز نہیں اور بوجہ ابہام شرک جیسا کہ الفاظ موہمہ کا اطلاق نا جائز ہے اور بحکم آیت شریفہ (یا ایہا الذین آمنوا لاتقولوا راعنا وقلوا انظرنا) از جملہ ممنوعات۔ اس قسم کے افعال موہمہ شرک کرنا نیز صحیح نہیں مگر بوجہ عدم اعتقاد حضوری صلعم نہ شرک ہے نہ کفر اور بعد اعتقاد حضوری صلعم بیشک صورتہ شرک ہے اعازنا اللہ منہ و سائر المسلمین۔

۳۔ روح محمدی صلعم کو فی کل حال و فی کل وقت و مکان حاضر و ناظر جاننا اور یون اعتقاد رکھنا کہ آپ ہر بات کو سنتے ہیں اور جانتے ہیں بیشک از جملہ شریکات ہے۔ درود پڑھتے وقت نیز یہہ نہ اعتقاد کرے کہ آپ حاضر و ناظر ہیں بلکہ یون اعتقاد کرے کہ ملائکہ اس تحفہ کی تبلیغ کیواسطے مقرر

ہین اور احادث صحیحہ سے گروہ ملائکہ کا من اللہ تعالیٰ اس خدمت پر مامور ہونا ثابت۔ میں الفاظ درود کو بوساطت ملائکہ تا بخضوری اقدس ﷺ پہنچاتا ہوں۔ یہ بالراست تبلیغ نہیں یہ بوساطت ملائکہ ہوگی یہہ درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم

۱۵۔ امامت تراویح تا بالغ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں ایک تا بالغ لڑکے کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

تا بالغ کی امامت اور اسکے پیچھے نماز تراویح ادا کرنا فقہاء علیہم الرحمہ اسکے جواز اور اداء نماز تراویح کے بارہ میں مختلف فیہ ہیں بعض نے جائز ہی کہا ہے مگر یہ قول صحیح نہیں اور نہ اسپر فتویٰ ہے قول صحیح یہہ ہی ہے کہ یہ صورت جائز نہیں ہے اور نماز تراویح نہیں ادا ہوتی۔ فی فتاویٰ قاضی فی امامتہ البصیان فی التراویح قال مشائخ العراق وبعض مشائخ بلخ لا يجوز وقال بعضهم يجوز وقال شمس الائمہ سرخسی انہ لا يجوز لانه غیر مخاطب و صلوٰۃ لیست بصلوٰۃ علی الحقیقہ فلا يجوز امامتہ ک امامتہ المجنون۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۱۶۔ در بارہ جواب اذان دوم و دعاء (بعد اذان الخطبہ)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ کی اذان کا جواب دینا اور بعد اس اذان کے دعائے انگنا جواز ان کی دعا ہوتی ہے درست ہے یا نہیں۔

جواب

فقہاء علیہم الرحمہ اس بارہ میں مختلف ہیں۔ بعض جواب اذان کو جائز ہی کہتے ہیں اور استدلال اذنا یہہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ جو خطبہ جمعہ کی واسطے منبر پر بیٹھے اور مؤذن نے اذان

دی تو انہوں نے اذان کا جواب دیا اور فرمایا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے بھی اس طور پر جواب اذان جمعہ دیا تھا اور آپ بھی منبر پر بیٹھے ہوئے تھے مگر چونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے (اذا اخرج الامام للخطبة فلا صلوة ولا كلام) اور نیز دوسری حدیث میں وارد ہے (من قال لغیرہ انصت والامام مخطب فقد لغا) اور ظاہر کہ انصت از جملہ امر بالمعروف ہے اور امر بالمعروف ونبی عن المنکر از جملہ فرائض میں ہیں پس بحالہ الخطبہ جب امر بالمعروف ہی کو لغو و ناجائز فرمایا تو جواب اذان اور دعا بعد الاذان کیونکر جائز ہوگی۔ حدیث سابق سے واضح ثابت کہ بعد خروج امام للخطبہ ہر قسم کے صلوة اور ہر قسم کا کلام ممنوع ہے۔ اور استماع خطبہ ساکت و صامت بیٹھنا لازم کافی حالت قرأۃ الخطبہ اس وجہ سے عند الامام علیہ الرحمہ انصات لازم ہے اور ہر طرح کا کلام ولو کان قرأۃ القرآن اذکر اللہ تعالیٰ بالتسبیح والتحمید سب ممنوع۔

قال فی رد المختار واجابہ الاذان حینئذ مکروہ و قال فی رد المختار (کل ما حرم فی الصلوۃ حرم فیہا اے فی الخطبہ محرم الحکم و ثرب و کلام و لو تسبیحا و رد السلام ادا امر بالمعروف بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت بلا فرق بین قریب و بعید فی الاصح)

وفی الفتاوی السراجیہ اذا کان عابدا عن الخطبہ بحيث لا یسمع الخطبۃ فالسکوت لہ افضل من القرأۃ والذکر و اذ خرج الامام للخطبۃ کزۃ الذکر و رد السلام الم یفرغ عن الخطبہ)

باقی رہا فعل امیر معاویہ سو وہ صحابی تھے اور احادیث مذکورہ ممانعت کلام حدیث قولی خود حدیث فعلی حضور ﷺ پر مقدم ہے اور قول رسول اللہ علیہ السلام و الصلوۃ کو فعل حضور پر ترجیح ہے پس فعل صحابی پر بدرجہ اولیٰ ترجیح ہوگی۔ نیز وہ خود امام تھے مقتدین کو ان پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ بالجللہ صیح یوں ہے کہ جواب اذان دینا اور بعد اذان کے دعا مانگنا دونوں مکروہ ہیں اور بلا کر ہتہ جائز نہیں ہذا ہوا المستمر عند المتقہاء۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۱۷۔ دربارہ معاملہ (۶۰) روپیہ و بکر (۹۰) روپیہ لینا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بکر نے حامد سے ساٹھ روپیہ اس شرط پر لیا کہ عوض ان ساٹھ روپیہ کے فی سال تیس روپیہ تین برس میں نوے روپیہ خالد کو دیوے لیکن جب بکر نے بوجہ تہی دستی کے ایک سال میں ایک کوڑی بھی خالد کو نہیں دی اور مدت بھی آخر ہو گئی تو خالد نے بجائے نوے روپیہ کے جو ساٹھ روپیہ بدلہ تھا چند نیل اور کچھ زمین کہ اگر فروخت کیا جائے تو نوے روپیہ سے دوسرے لوگوں خرید لین گے بکر سے لے لیا۔ پس شرعاً یہ نیل اور زمین خالد کے حق میں سود ہوگا یا نہیں اگر ہوگا تو سود کی کیا علت پائیگی اور سود کی کیا تعریف ہے اور سود کس چیز میں ہوتا ہے اور اگر نہیں تو کیا سبب ہے۔ جواب مدلل تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

یہ معاملہ فی حق الخالد بے شبہ فی حکم الربو ہے۔ یہ ہرگز جائز نہیں اور کیونکر جائز ہو یہ ظاہر ہے کہ بکر نے خالد کو ساٹھ روپیہ بطور قرض اور اس قرض دینے کے ساتھ یہ شرط کی بجائے اسکے سہ سالہ مدت کے بعد نوے روپیہ لون گا اور وہ ہی اسطور پر کہ ہر سال میں تیس روپیہ لیتا رہوں گا یہ سہ گونہ نفع بکر کو بر بناء اس دین حاصل ہوا اور خالد نے دیدہ و دانستہ مجبوری اس بھاری نقصان کو برداشت کیا اور اس دباؤ میں کہ اگر اس شرط کو نہیں مانتا تو قرض نہیں ملے گا یہ کھانا نقصان گوارہ کیا۔ اور حدیث صحیح عند الفقہاء والجمہدین وارد (کلّ دین جزّ نفعاً فہو ربو)

پس بے شک یہ ربو ہے اور سود۔ و تعریف ربو اوپر صادق ہے اخذ مال الغیر بلا عوض اور سونا چاندی کا منجملہ اشیاء ربویہ ہونا خود مسلم مگر شاید یہہ واہمہ پیش ہو کہ گوا ابتداً معاملہ یون ہی تھا مگر اب بلا خر نیل و زمین کو بمقابلہ زر زمین خریدا ہے اور کا مختلف الجنس ہونا ظاہر و بصورت اختلاف جنس حضور سرور عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں (واذا اختلف الجنس فبیعوا کیف شئتم) یعنی بصورت اختلاف جنس مساوات ضرور نہیں کی و بیشی کے ساتھ بیع کرنا نیز درست ہے سو یہہ واہمہ ہر دو وجہ غلط ہے اور ناقابل التفات ہے اور یون کہ یہہ عقد ثانی بنا علی العقد الاولیٰ تیس

روپیہ اصل کو معہ زرسود نوے روپیہ قرار دیکر زمین و تیل قیمتی نوے روپیہ کا مال بمقابلہ میں روپیہ کیونکر خریداجاتا۔ نیز خالد نے صرف اسی مجبوری اسی دباؤ میں یہ معاملہ کیا ہے کہ قانوناً و عرفاً اپنے ذمہ نوے روپیہ نقد دینے واجب الادا سمجھے اور بغیر معاملہ مذکورہ اپنی گلو خلاصی ناممکن جانا پس کھلا ثابت کہ یہ دوسرا عقد من جانب العاقدین اسی عقد اول پر مبنی ہے و ظاہراً العقد الاول باطل شرعاً فالہیئتی علی الباطل ایضاً باطل) دوسرے بصورت اختلاف جنس کے کیف شاء بیع کرنا صحیح تھا اگر بناء معاملہ دین پر نہ ہوتی اور اس مرتبہ غبن فاحش اور تفاسل ناقابل برداشت کے ساتھ معاملہ نہ کیا جاتا جس کو صرف بر بناء دباؤ دین گوارہ کیا گیا ہے یہ ظاہر کہ خالد نے چونکہ مدیون بکر ہے اور اپنے ذمہ نوے روپیہ قانوناً واجب الادا جانتا ہے اسی مجبوری سے اس نے اس بھاری نقصان کے برداشت کر کے بکر کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے پس بے شک یہ جرنفع بر بناء دین سبق ہے اور بکر نے جوفع کثیر بر بناء قرض اوٹھایا او سکے ر ہوا ہونے اور فی فقہ حرام ہونے میں بحکم حدیث مذکورہ بالا کوئی تردد نہیں ضرور ناجائز ہے اور تحقیقاً فی حکم الربوا فقہانے جو بیع بالعین کو مکروہ تحریمی فرمایا حرام قطعی باستطاعہ الربوا پس فتنہ کثیرہ کو بمقابلہ فتنہ قلیلہ مع شئی یسیر بیع کو ناجائز کہا اسی حکمت غامضہ پر مبنی ہے۔ بیشک اس قسم کی بیع کا فتویٰ دینا باب الربوا کو مفتوح کرتا ہے ہو مسدود من الشارع بالجملہ یہ بیع ناجائز ہے ہرگز صحیح نہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۱۸۔ ڈاڑھی پر سیاہ خضاب و تارک جماعت وغیرہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد شریف میں چند اشخاص بیٹھے ہوں اور ان کے نزدیک زید بیٹھا ہے مہتمم مجلس خاص طور پر زید کی طرف توجہ کر کے کہے کہ جاؤ وضوء کر کے آ زید جواب میں کہے کہ آپکو کیا علم ہے آیا وضوء کر کے آیا ہوں یا نہیں پھر مکرر غصہ ہو کر کہے مگر زید باوجود تاکید کے وضوء کرنے نہ جائے اور بعد چائے وغیرہ تقسیم ہو مگر زید کو نہ دیجائے اور بجائے تو اضع کے زید سے کہا جاوے تو کیا پوچھا یہ کہنا مہتمم مجلس کا خیال کسی بدگمانی یا بے نگاہ تحقیر یا بلا

کسی کے جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ غوث پاک عبدالقادر جیلانیؒ کے ذکر پیدائش کے وقت تعظیماً کھڑا ہونا اہل مجلس کو جائز ہے یا نہیں۔

۳۔ جو شخص لیونکو تصد ابڑھائے اور سکے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

۴۔ جو شخص مسجد میں اس خیال سے نہ آوے کہ محکو جماعت میں شریک ہونا پڑے گا اور یوں بھی کہتا ہے کہ میری نماز ان ملاؤں کے پیچھے نہیں ہوتی بلکہ علانیہ یہ کہے کہ مولوی مردود ہیں ہم فقیروں کے رمز کو کیا جانیں یہہ شخص کیسا ہے اور اوسکا کہنا کیسا۔

۵۔ جو شخص ڈاڑھی پر سیاہ خضاب اس وجہ سے کرے کہ سنت ہے حضور ﷺ کی اور کہے کہ رسول اللہ نے خضاب کیا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اپنی ڈاڑھی کو سیاہ کر دنا کہ کافروں سے مختلف ہو کیونکہ یہود و نصاریٰ اس فعل کو نہیں کرتے اور خصوصاً جہاد کرنے والوں کو حکم کیا گیا ہے چنانچہ اون جہاد کرنے والوں میں علماء دین ہیں ہمارے واسطے جائز ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ یہہ شخص ایک مسجد میں امامت پر مقرر ہے۔

۶۔ جس تقریب شادی میں انگریزی بلجہ ہو سوائے دف کے ایسی تقریب میں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں۔

۷۔ جو پیش امام مسجد کا ہر قسم کے کھانے سوم۔ دہم۔ بستم۔ چہلم اور تقریب شادی بلجہ و آتش بازی وغیرہ کے کھاوے جائز ہے یا نہیں اور نماز اوسکے پیچھے جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

۱۔ یہہ کہنا اگر بغرض تذلیل ہے اور شان تحقیر گناہ ہے اور بیشک مورث معصیہ فی الحدیث صحیح (تواضعوا تواضعوا حتی لا یفتخر وایستکبر علی بعض اوکما قال)

۲۔ اگر حضرت غوث پاک کو حاضر و ناظر جان کر کھڑا ہو رہے شرک ہے اور سخت معصیت در نہ بدعت اور ضرور مورث معصیہ۔

۳۔ لیون کا بڑا حنا شعار کفار ہے اور کتر وانا مسنون و شعار اسلام۔ حدیث صحیح وارد ہے۔ (فتاویٰ الشوارب و انشوا للحمی) ایسے شخص کو جو بالعمد اصرار کر کے تارک سنت ہو اور مخالفت حدیث کا مرتکب امام مسجد نہ بنایا جائے۔

۴۔ وہ شخص بڑا گستاخ ہے اور بڑا متکبر تارکین جماعت کی نسبت حضور ﷺ نے وعید شدید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ان کے گھروں کو آگ دیدو نیز ارشاد کہ اپنے سے ہر ایک کو اچھا سمجھ کر ہر اچھے برے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو جماعت نہ چھوڑو۔

۵۔ یہ قول اوسط بالکل غلط ہے حضور نے خضاب لگانا حکم دیا ہے بلکہ ڈاڑھی کے سیاہ کر نیسے ممانعت فرمائی ہے فرماتے ہیں (واجبتوا السواد) نیز ارشاد ہے جو لوگ ڈاڑھی سیاہ کرتے ہیں وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہیں گے۔

۶۔ اولی یون ہے کہ نہ کھائے اور ایسے اشخاص سے متارکت اختیار کرے اور اگر کھانیاں نہ کاتے۔ البتہ خواص وقت کو چاہئے ہرگز نہ کھائیں ایسے شخص کو امام مسجد نہ بنایا جائے اور اگر کہیں احیاناً امام ہو خیر شریک جماعت ہو جاوے اور ترک جماعت نہ کرے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۱۹۔ وضاحت حدیث نوری من نور اللہ

حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے حدیث نوری من نور اللہ کے مطلب کو نہایت شرح اوسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اضافت ایک شے کی دوسری شے کی طرف جب ہوتی ہے تو بقاعدہ عربی مضاف اور مضاف الیہ میں غیرت ہوگی نہ باہمی جزیت اور نہ جزیت اس قاعدہ کے بعد مضاف کو عین مضاف الیہ قرار دینا بالکل غلط ہے اور جزیت کا علاقہ صحیح اسلئے کی اضافت کا دار و مدار جزئیہ پر نہیں ہوتا بلکہ کسی نے ربط کی وجہ سے بھی اضافت ہو سکتی ہے۔ اس طرح جہان من کا استعمال ہو ضروری نہیں ہے کہ وہ من تبعیضی ہو بلکہ بعض وقت من تعلیلیہ بھی ہوتا ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال یہاں اس موقع پر من تبعیضی نہیں ہے کہ جس سے علاقہ جزیت ثابت

کیا جائے بلکہ تقلیلہ ہے۔ جس کا مطلب یہہ ہوگا کہ بوساطت وجود محمدی تمامی کائنات کا وجود اس خالق برتر نے مخلوق فرمایا اور اکراماً و احتراماً اضافت نور کی حضرت کی طرف کی گئی جیسا کہ اکراماً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روح اللہ کہا جاتا ہے اس طرح نور محمدی کو نور اللہ کہا گیا یعنی خدائے برتر نے نور محمدی کو بلا واسطہ کسی مخلوق کے اپنی قدرت کاملہ سے مخلوق فرمایا نہ مثل دیگر کائنات اور اسکی مخلوقیت میں وجود محمدی کو واسطہ فی الخلق قرار دیا اس خصوصی فضل و کرم نے حضور کو ایک خاص مقام اور عزت دی اسوجہ سے نور اللہ کی اضافت خاص اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف منسوب کی اس نسبت عینیت کا علاقہ یا جزئیت کا تعلق بتاتا ہے دونوں غلط ہیں۔ حضرت مولانا نے ملائکہ کی مثال دیکر اس مسئلہ پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ ملائکہ مقربین کا مخلوق من النور ہونا احادیث میں مذکور ہے۔ یہاں پر نور سے نور اللہ مراد ہے اور کوئی ملائکہ کی نہ عینیت کا قائل ہے اور نہ جزئیت کا اصل یہہ ہے کہ خود باری عزوجل واجب الوجود اور تمامی مخلوقات کا وجود اسی احدیت الذات والصفات سے مستفاد ہے وحی مبداء کل اور تمامی مخلوقات بہ ہمہ جہت اسکی محتاج اسکی وجود اصلی ہے اور کائنات کا وجود ظلی۔

حضرت مولانا نے نور آفتاب کی مثال دیکر مزید اس حدیث مذکور کی وضاحت فرمائی ہے جس طرح نور آفتاب آفتاب کی ذات سے قائم ہے اور اس کے نور سے عالم منور ہوتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ عالم پر جو نور محیط ہے وہ آفتاب کا عین ہے یا آفتاب سے جزئیت کا علاقہ ہے یہہ دونوں صراحۃً غلط ہیں بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ نور جو آفتاب کی ذات سے قائم ہے وہ اصل ہے اور عالم کا نور اس نور کا عکس اور ظل اور پرتو ہے نہ انہیں عینیت کا علاقہ ہے اور نہ جزئیت کا اب خوب واضح ہو گیا کہ اللہ کا نور ذات خداوندی میں اصلی ہے اور مرتبہ انبساط میں آ کر تمامی کائنات میں وہ نور جلوہ گر ہے وجود حقیقی اور وجود اصلی اور مرتبہ وجود ظلی میں البتہ تعدد ہے وجود اصلی بے نیاز محض ہے اور وجود ظلی بہ ہمہ حاجت۔ نیز وجود اصلی غیر مخلوق اور سب کا خالق ہے اور وجود ظلی مخلوق ہے اور یہہ دونوں متباین ہیں اور انعام چونکہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ مخلوق نور محمدی کو پیدا فرمایا

اسلئے اس خاص اور شرف فضیلت کی وجہ سے نور اللہ کی طرف لگی ہے نہ انہیں عینیت کا علاقہ ہے اور نہ جزئیت کا علاقہ ہے وہ خالق اور یہ مخلوق دونوں جدا جدا ہیں اسی وضاحت کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔ حضور تمام کائنات میں افضل ہیں۔

۲۰۔ در بار مصلوۃ مسافر و نوافل وغیرہ

بجواب

۱۔ مسافر کو بجائے چار رکعت دو رکعت پڑھنا چاہیے اگر تنہا پڑھے یا خلف الامام المسافر۔ بصورتہ اقتداء امام متیم چار رکعت پڑھے گا۔ سنتہ و نوافل کا قصر صرف استقدر ہے کہ جو مؤکدہ بہ حالت قیم تھا وہ نہیں۔ اسی وجہ سے بہ حالت سفر، سنت و نوافل کا ادا کرنا مؤکد نہیں۔ بحالت فرصت و اطمینان ادا کرنا اولیٰ ہے۔

احادیث سے اداء سنت و ترک سنت ادا و اکفای علی الفرض دونوں ثابت ہیں اور فیما بین احادیث یہی صورت جمع ہے کہ بوقت سفر ترک اور بوقت قیام منزل ادا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۲۱۔ در بار و نذر و مصرف نذر

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نذر کی کہ فلان وقت اس مسجد میں استقدر چندہ دوڑگا مگر جب اس چندہ کا وقت آیا تب اس مسجد کو کچھ ضرورت باقی نہیں رہی اب یہ نذر کرنے والا دوسری مسجد یا کنوین یا مدرسہ یا کسی دوسرے کار خیر میں اسکو خرچ کر سکتا ہے یا نہیں۔

بجواب

صورۃ مستفسرہ میں صرف اس مقدار روپیہ کا دوسری مسجد بلکہ ہر مصرف خیر میں جائز ہے جو نذر کہ معلق یا شرط نہ ہو اگرچہ اوسمیں کوئی تعین زمان یا مکان وغیرہ ماخوذ کجائے مگر وہ معلق نہیں

ہوتی مطلق ہی رہتی ہے اور بوجہ اطلاق اس کا علی خلاف تعین انکا صرف کرنا صحیح ہے فی الدر مختار (والنذر من اعتكاف اوج اوصلة او صيام او غيره غير المعلق ولو معيناً لا تخصيص بزمان ومكان ودر جسم علی فلان فخالفت جاز) وفي الفتاوى الثامیه (انما جاز لان الداخل تحت النذر ما هو قربة وهو اصل التصديق دون التعین فبطل التعین وازمة القربة) بالجمله چونکہ مقصود ایسے نذر میں تقرب اللہ ہے لہذا ہر مصرف خیر میں جائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۲۲۔ در بارہ عقد با جازرت والدہ موجود کی چچا حقیقی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسامۃ ہندہ کا سن ۹ سال کا ہے اس کے باپ نے بچپن میں انتقال کیا تھا اس کی ماں اور اس کے چار بڑے چچا یعنی اس کے باپ کے حقیقی بڑے بھائی اور دو حقیقی ماموں زندہ ہیں۔ اس وقت اس کا ایک ماموں مجنون ہوا اور دوسرے ماموں سفر بعید میں ہے اور چاروں چچا بھی مکان پر موجود نہیں لیکن اتنی دور نہیں جسمین نماز قصر پڑھی جائے تو اس صورت میں ماں کو اختیار ہے کہ اس لڑکی کا نکاح جس سے چاہیں بدون اجازت ان وارثوں کے اور بدون تصدیق و کالت اس لڑکی کے کرے یا نہیں۔

بجواب

چچا عصبہ ہے اور ہوتے ہوئے اس کے، ماں کو حق ولایت نہیں پہنچ سکتا۔ نیز ظاہر کلام سے دختر منکوحہ کا بالغ ہونا معلوم ہوتا ہے اس وقت میں وہ با اختیار خود ہے دوبارہ نکاح اس کی خود اجازت ضروری ہے۔ چچا کا اس قدر مسافت پر ہونا کہ احکام سفر شرعاً اوپر مرتب ہوں بحکم اقامتہ و بحکم وجود فی المصر بالجمله بصورتہ مذکورہ ماں نے جو بطور خود بغیر اجازت ولی و بغیر اجازت دختر منکوحہ اگر نکاح کیا نا معتبر ہے مگر بمنزلہ نکاح فضولی موقوف علی اجازۃ المنکوحہ ہے۔

دختر نے بعد اطلاع خبر نکاح اگر فوراً انکار کیا اور اس نکاح سے جو ماں نے کیا نارضا مندی اپنی ظاہر کی بے شک وہ نکاح صحیح نہیں رہا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

۲۳۔ در بارہ مسائل مختلف مرتکب گناہ کبیرہ و امامت فاسق وغیرہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں ایک شخص مسلمان مرتکب گناہ کبیرہ و صغیرہ کا ہو اور شرک بھی اوس سے سرزد ہوا ہو ایسے شخص کا بعد توبہ کے کیا حکم ہے۔

۲۔ نیز ایک شخص امامت کرتا ہے اور اوسکی زوجہ باہر پھرتی ہے اوسکے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔

۳۔ نیز جو شخص سوائے اردو فارسی کچھ نہ پڑھا ہو ابودہ منبر پر بیٹھ کر مثل علماء کے ترجمہ قرآن پاک کرتا ہے اور ثبوت حدیث سے دیتا ہے ایسے شخص کی واسطے شریعت کا کیا حکم ہے

۴۔ نیز زید و عمر دونوں مسلمان ہیں اور زید عمر کے نقصان پہنچانے میں کوشش کرتا ہے اوسکے واسطے شریعت کا کیا حکم ہے۔

جواب

حدیث میں وارد ہے (التائب من الذنب کمن لا ذنب له) شرک و کفر۔ صغیرہ۔ کبیرہ۔ ہر گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے اور بعد توبہ صادقہ اوس خدائے برتر رحیم و کریم کے انضال کے بحر وسعہ قوی امید ہے کہ بعد توبہ صادقہ گناہ بالکل معاف ہو اور صاحب توبہ پاک و صاف مگر توبہ صادقہ اس سے عبارت کی کچی ندامت کے ساتھ اقرار گناہ کر کے معافی چاہے اور آئندہ کو سچا عہد کرے کہ کبھی اوس گناہ کا مرتکب نہ ہوں گا۔

۲۔ اگر عورت اوسکی شرعی پردہ کے ساتھ باہر جاتی ہو امامتہ اوسکی بے تردد درست ہے والبتہ بغیر پردہ شرعی باہر جانا اور اجانب سے بے حجاب رہنا معصیہ ہے ایسا شخص جو ارتکاب گناہ میں یوں بے باک و دلائق اسکے نہیں کہ اوسکو امام مسجد بنایا جائے

۳۔ اگر قرآن کا صحیح ترجمہ بیان کرتا ہے اور نیز علاوہ اسکے جو کبھی روایات معتبرہ سے نقل کرے تو مضائقہ نہیں البتہ ادب شریعت یہ ہے کہ ایسا شخص ایسی جرات سے باز رہے اندیشہ ہے غلط ترجمہ یا غلط روایت زبان سے نکلے اور نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہو۔ حدیث صحیح میں ارشاد

ہے (مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُعْتَدِلٌ قَتَيْتُوْهُ وَمُعْتَدِلٌ مِنَ النَّارِ)

۴۔ مسلمان دوسرے مسلمان او سکے ضرر سے محفوظ رہیں۔ فرماتے ہیں (المسلم من سلم المسلمون بیده ولسانہ) نیز ارشاد ہے (لَا ضَرَرَ وَلَا اَضْرَارَ فِی الْاِسْلَامِ) خوبی یہ ہے کہ باوجود اسکے دوسرا اسکے درپے آزار ہو یہہ او سکویہہ بھی ایذا نہ دے۔

۵۔ قرآن پاک میں ہے (ادفع بالیٰ حی احسن) یعنی برائی کا بدلہ بھلائی سے دو برائی کے ساتھ نہ دے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ (فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرٌ عَلَى اللَّهِ) یعنی جسے خفا معاف کی اور صلح سے پیش آیا اور کیا جزا اللہ کے پاس ہے۔ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۳۔ دربارہ طلاق

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بوجہ دوسری عورت اپنی زوجہ ہندہ کو چھوڑ رکھا ہے مجبوراً ہندہ نے عدالت میں درخواست دیکر اپنا فیصلہ چاہا کہ زید نے مجھ کو عرصہ کئی سال سے چھوڑ رکھا ہے اور کوئی خبر نہیں لیتا لہذا یا تو مجھ کو طلاق دلوائی دیجائے یا میرے خور و نوش کا انتظام کر دیا جاوے چنانچہ یہہ ہی حکم عدالت سے صادر ہوا کہ یا تو طلاق دے یا پانچ روپے او سکے خور و نوش کیواسطے دیجائیں۔ بعد گزرنے ایک ماہ زید نے عدالت میں درخواست کی کہ میں پانچ روپیہ علیحدہ نہیں دے سکتا اور چونکہ ہندہ نے درخواست طلاق بھی کی ہے لہذا میں او سکو طلاق دیتا ہوں عدالت دین مہر معاف کرادے۔ ایسی صورت میں ہندہ اپنے شوہر سے مہر لے سکتی ہے یا نہیں اور یہہ طلاق خلع متصور ہوگی یا نہیں

الجواب

چونکہ مہر میں او سکو طلاق دیتا ہوں مطلق ہے نہ کوئی شرط او سکے ساتھ ماخوذ ہے اور نہ بعض دین مہر اور نہ بعض مال۔ نیز یہہ طلاق صریح ہے نہ صیغہ خلع ہے نہ ہم معنی صیغہ خلع لہذا خلع بے تردد واقع مگر چونکہ ایک مرتبہ طلاق دی ہے طلاق رجعی واقع ہوگی اگر قبل از عدت یعنی اختتام

زمانہ عدۃ مین رجعت کرے اور شاہدین اس عدت پر گواہ ہوں تو پھر وہ زوجہ اس کے نکاح میں رہے گی ورنہ بعد گزرنے عدت کے نکاح سے باہر اور مہر کامل سے نفقہ عدۃ شوہر کو ادا کرنا واجب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۵۔ در بارہ ذکر اشہاد مین

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ ماہ محرم میں حضرت امام حسینؑ کے ذکر شہادت میں چاہے نثر میں ہو یا نظم میں حضرات خلفاء راشدین و دیگر صحابہ کی فضیلت و شہادت کا تذکرہ اہلسنت کیلئے کیا ضروری ہے جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤی کے مجموعہ فتاویٰ بحوالہ جامع الرموز میں مذکور ہے اور کیا اسپر تمام علماء اہلسنت کا اتفاق ہے یا کسی کا اس میں اختلاف بھی ہے اور کیا یہ حکم مملوکہ محدود مقامات کے ساتھ خاص ہے یا ہر شارع عام جہاں واقعہ شہادت پڑھا جائے یہ حکم مذہباً جاری ہوگا۔

الجواب

بندہ نے مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور کو دیکھا نہ کتاب جامع الرموز نگاہ سے گزری چاہا دیکھوں مگر نہیں دستیاب ہوئی اسوجہ سے تحریر جواب میں زیادہ دیر ہوئی حیران ہوں کیا لکھوں۔

میرے نزدیک مسلمات دین میں سے ہے کہ مصائب پر صبر کیا جائے و رضا و تسلیم بے شک منجملہ لوازمات مرتبہ عبودیت صبر پر ثواب موعودہ و بشارات۔ صبر سے آیات قرآن اور احادیث نبی کریم ﷺ مالا مال اور جزع و فزع۔ گریہ و بکاء از جملہ ممنوعات شرعیہ و عید ہائے شدیدہ اوپر وارد۔ کہیں یون ارشاد ہے (لیس مناسن حلق و قلق) اور کہیں یون ارشاد ہے (لیس مناسن ضرب الحد و دوشق الجیوب) بلکہ فی حق المیت و فی قہبہ نیکی یہ جملہ نوحہ و بکاء اور یہ تمام گریہ و زاری نیز اندیشہ سے خالی نہیں۔ حدیث صحیح میں کھلا وارد ہے (المیت یعذب ببکاء الحی علیہ) اور نیز یون

وارد (يُعَذَّبُ الْمَيِّتُ بِمَا نَخَّ عَلَيْهِ اَوْ كَمَا قَال)

ذکر شہادت حسینؑ یا مصائب کر بلا و لو کان بالروایات الصحیحہ چونکہ بالآخر فتح بکا دین
بلکہ نوحہ دزاری اوسکا عین مقصود اور رتبہ و مرتبہ رضا و تسلیم کے خلاف بلکہ اوسکے منافی تو غلے الحال
اہل اسلام اور اہل حق بمقتضائے امان یوں ہے کہ ہمہ صبر ہو کر ثابت التقدّم رہیں اور جملہ رضا و تسلیم
ہاتھ سے ندیں۔ ہاں بقدر وسعت مالی و بدنی عبادت سے یہ ارواح طیبہ طاہرہ اہلبیت نبی
کریم ﷺ ایصالِ ثواب کر کے حسنات حاصل کریں اور نظم یا نثر یا جس طور پر کہ ہو نقل مصائب
سے حذر کریں بلکہ جبکہ مشاہدہ یوں کہ بیشتر اہل مصائب و شدائد نقل و ذکر فی حق العوام نہ فی ظانی
حق القائلین باعث ہیجان غضب و عداوت ہوتا ہے بلکہ فی حق بعض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
اجمعین ولو بلا سبب او با سبب لغیرہ نیز محدث بغض ہو جاتا ہے اور ظاہر کہ اکرام صحابہ یعنی اکرام
صحبت محمدی ﷺ عین اکرام حضور ہے اور توہین صحابہ خود حضور اقدس کی توہین۔ پس بر بناء ہذا
الحکمۃ الخامسة ایسے اذکار اور ایسے نقل روایات ضرور ممنوعات دین سے ہونگے خاص اوس حالت
میں کہ رواج وقت کے موافق روایات موضوعہ سے مملو ہوں۔ اسی بنا پر حضرات متکلمین نے
مشاجرات صحابہ کے ذکر کو ناجائز لکھا ہے اور کتب عقائد میں صراحۃً ممانعت اوسکی مذکور اور بحالت
ارتکاب ضرور مصلحت دین کے خلاف اور بعقائد العوام اسکو متفقہ ذکر شہادت و نقل مصائب کر بلا
کے ساتھ ذکر فضیلت شیخین و ذکر فضائل صحابہ نیز کیا جائے اور جبکہ مصلحت دین بر بناء ہذا الحکمہ ہے
اور اصلاح عقائد العوام اوس سے مقصود پس بلا تخصیص زمان و مکان و بلا تخصیص نظم و نثر یہ حکم عام
ہوگا نہ محدود فی زمان او مکان اونی حال دون حال کوئی قید نہیں ہے۔ واللہ یہدی من یشاء الے
صراط مستقیم۔

۲۶۔ دربارہ سود کے مال سے تنخواہ جائز ہے یا نہیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جن انگریزی دفاتر میں تنخواہیں بنک کے سودی روپیہ سے ملازمین کو دی جاتی ہیں انہیں باوجود یقین و علم کے ملازمت کرنے کا جواز اور ضعیف سے ضعیف تاویل و توجیہ سے اس روپیہ کی اباحت شریعت سے ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں۔
الجواب

ربوہ کی حرمت ایسی منصوص و قطعی الثبوت ہے کہ کسی مسلمان کو جرأت نہیں اور نہ ہو سکتی ہے جو اسکو مباح کر سکے جن حضرات نے ان دیار کو دار الحرب سمجھ کر ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کے اس فقرہ کے بحرہ (لارہوالبین المسلم والحر بی فی دار الحرب) ربوہ سود خواری کو مباح کہا اور کفار سے سود لینا جائز قرار دیا میرے نزدیک منشاء صحیح اس رائے کا اون حضرات کا قلت تدبر ہے اور بدوجہ یہ رائے اون حضرات ضرورتاً قابل تسلیم ہے۔ اول یہ کہ بعض علماء انہی دیار کو دار الحرب کہتے ہیں اور ممکن دلو مرجوحا یہ کہنا اوکا صحیح ہو اور مسلم از اجاء الاحتمال بطل الاستدلال) پس ہوتے ہوئے اس احتمال مخالف کے دار الحرب ہونا ان دیار کا کیونکر ثابت اور جب دار الحرب ہونا دیار کا خود ثابت نہیں تو حلت ربوہ جو اس پر مبنی ہے کیونکر صحیح۔ دوسرے یہ کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کی عبارت سے یوں سمجھنا کہ مسلمان دیار نا کو کفار سے ربوہ لینا صحیح ہے ہرگز صحیح نہیں یہ حکم اباحت ربوہ اون اہل اسلام کے ساتھ مخصوص ہے جو دراصل دارالاسلام میں اقامتہ پزیر ہوں اور کفار دار الحرب سے امان لیکر چندے ربوہ دار الحرب میں قیام عارضی کریں اور دوبارہ معاہدہ راسخ چونکہ وہ اہل اسلام خود دارالاسلام کے رہنے والے ہیں اور حق مسلمانان دارالاسلام بمجملہ اہل غزا ہیں مال کفار مباح الاصل۔ لہذا اون مسلمانان دارالاسلام کو جائز کہ بحکم اباحت اصیلہ مال کفار تولے لیں من الحیل مثلاً بحیلہ الربوہ کفار سے لیکر متمتع ہوں نہ یہ کہ اہل اسلام کہ خود پناہ گزین اہل حرب ہیں اور علی سبیل الدوام اقامتہ گزین دار الحرب والحکم پناہ وحمایۃ اہل حرب خود کفر ظلی کے مورد یہ لوگ کیونکر مستحق اس انعام اباحت کے ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں فقہا علیہم الرحمہ

نے مال اہل حرب کا مباح الاصل ہونا خود اس حکم اباحت کی دلیل گردانی ہے اور عثمان و شارجین ہدایہ نے تحت ہذہ العبارت بطور تحشیہ تصریح کر دی المراد منہ (ای من المسلم ہو المسلم الذی دخل دار الحرب بامان) بالجملہ ربوا بیشک حرام ہے اور ہرگز مفید ملک نہیں اور ضرور واجب الرد ہے اور کسی خالص آمدنی سے تنخواہ لینی جائز نہیں۔ ہاں اگر یوں ہو کہ جسکی نوکری کجائے اس کی یہ آمدنی حرام و ناجائز حلال و جائز روپے سے مخلوط ہو اور حلال اس پر غالب یا وہ شخص حلال روپے سے قرضاً تنخواہ دے اور پھر وہ قرضہ کو دوسری آمدنی سے ادا کر دے تو خیر کہہ سکتے ہیں ایسی حالت میں اس تنخواہ کا لینا جائز ہو گا ورنہ بیشک آخذ ربوا حرام ہے اور اسکی خالص آمدنی سے تنخواہ لینی نیز ناجائز ہے۔ واللہ علم بالصواب

۲۷۔ در بارہ بصورت خوف جانی و مال

معتدہ کو انتقال من بیت الزوج

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ صاحب جائداد تھا اس متونی کے بھائی بھتیجے یہہ چاہتے ہیں کہ کل جائداد پر ہم قابض ہو جائیں اور مسماۃ مذکورہ کو ترکہ کچھ ندین اور یہاں پر مسماۃ کا کوئی عزیز اقارب بھی نہیں جو اسکی مدد کر سکے اب بوجہ خوف جان قبل ختم ہونے عدت کے اپنے بھائیوں کے مکان جاوے اور وہاں پر آکر عدت پوری کر سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

بحالت اندیشہ جان و مال یا بحالت خوف سارقین یا خوف زنا بالجملہ بحالت ضرورۃ شرعیہ عورت متونی عنہا زوجہا کو جائز ہے کہ بیت زوج سے نکل کر دوسرے مکان میں عدۃ پوری کر لے۔ فی الفتاویٰ قاضی خان (الحرۃ المسلم فی عدۃ طلاق و فرقتہ سوی الموت لا تخرج ولا تنہار الا بضرورۃ من خوف انہدام اذ حرق او ضاع مال) حاصل یہ ہے کہ بصورت خوف و بضرورۃ شرعی

انتقال من بیت الزوج جائز ہے۔ واللہ علم بالصواب

۲۸۔ دربارہ تارک الجمعۃ والجماعت

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید بلا عذر شرعی تارک الجمعۃ والجماعت ہے ایسے شخص کی نسبت شرع میں کیا حکم ہے اور کیا وعید احادیث میں وارد ہے۔

الجواب

اداء صلوٰۃ بالجماعت غلے قول الامام الاعظم "سنت مؤکدہ عملا کا الواجب ہوتی ہے اور غلے سبیل العادۃ بغیر عذر شرعی جو تارک اور کیا ہو بحکم حدیث صحیحہ و شفاعت حضور سرور عالم ﷺ سے محروم۔

امام احمد علیہ الرحمہ جماعت کو فرض فرماتے ہیں اور اداء صلوٰۃ بغیر الجماعت ان کے نزدیک صحیح 'نہیں۔ قرآن پاک میں دوبارہ جماعت بصیغہ امر یون تاکید (ورکعوا مع الراکعین) حدیث نبوی میں یون وارد ہے تارکان جماعت کے گھروں کو آگ لگانیکو جی چاہتا ہے مگر بلحاظ اہل وعیال واطفال جو بے خطاہین درگزر کرتا ہوں۔

کہیں یون ارشاد ہوتا ہے (من ترک الجمعۃ والجماعۃ ختم اللہ علی قلبہ او کما قال) بالجملہ جماعت از جملہ مؤکدات میں سے ہے اور تارک اسکا مستحق زجر شدید۔ بیشک مخالفین دین جماعت کو کافر جاننا یا منافق یا آثار کفر یعنی ختم اللہ علی قلبہ کا اوپر تر تب کرنا بہت خطرناک ہے اہل ایمان کے حق میں اس سے زیادہ اور کیا وعید شدید ہو سکتی ہے اعاذنا اللہ منہ سائر المسلمین منہ۔

بالجملہ ترک جماعت بلا عذر شرعی کسی طرح جائز نہیں در صورت ترک عذاب آخرت اور حرمان شفاعت کا اندیشہ قوی ہے۔ مسلمان پر لازم کہ عذاب آخرت سے ڈر کر کچی توبہ کرے اور بغیر عذر شرعی کسی حال میں عسرا ویرا تا وسیع دامکان جماعت نہ چھوڑے۔ (ان بطش رپک لشدید) واللہ علم بالصواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندو کا نکاح زید سے ہوا اور نکاح کے وقت مہر ایک مقدار خاص کے ساتھ مقرر ہوا مگر حسب رواج قدیم مؤجل یا ہمزہ یا معجل بالعین ہونے کی کچھ تصریح نہ ہوئی اور مطلق مہر رہا۔ ہندو کے زید شوہر سے اولاد بھی موجود ہے اندر بصورت مہر زوجہ بوجہ عدم اتفاق باہمی یا کسی دوسری بنا پر زید شوہر سے اپنے کل زر مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں اور شرعاً وہ مجاز مطالبہ ہے یا نہیں۔

الجواب

مہر بنفس العقد واجب علی الزوج ہو جاتا ہے اور یہہ وجوب وجوب شرعی ہے یہہ بی وجہ کہ عقد النکاح ذکر مہر و عدم و ذکر دونوں برابر ہیں بہر حال مہر واجب فی الہدایہ (ثم المہر واجب شرعاً امامہ بشرف المحل فلا یحتاج الی ذکرہ بصحۃ النکاح) یعنی مہر کو بضرورت اظہار شرف محل خود شرع نے واجب فرمایا ہے اور چونکہ من جانب شرع مہر واجب ہے لہذا بفرض صحۃ النکاح زوجین کا عقد العقد مہر کا ذکر کرنا ضروری نہیں اور وطی یا خلوة صحیحہ یا موت احد الزوجین کے بعد وجوب اوسکا مؤکد ہو کر کل مہر واجب الادا ہو جاتا ہے فی الفتاویٰ عالمگیری (والمہر یتأكد باحد ثلثہ معان الدخول۔ والخلوة الصحیحہ وموت احد الزوجین) یعنی منجملہ تین امور کے اگر ایک بھی مرتبہ وقوع آجائے وجوب مہر مؤکد ہو جاتا ہے بصورتہ مستفسرہ چونکہ زوجہ صاحب اولاد ہے کل مہر ذمہ زوج، واجب الادا ہو گیا۔ پس مطالبہ اوسکا نیز صحیح۔ منجانب زوجہ اگر تا جیل ہوئے یعنی زوجہ اپنے مہر کو مؤجل کر دے تو ہو سکتا ہے فی الہدایہ (کل دین حال اذا اجلہ صاحبہ صار مؤجلاً) یعنی ہر وہ دین کہ جس کا ادا کرنا فی الحال واجب ہو بعد مؤجل کرنے صاحب الدین کے مؤجل ہو جاتا ہے۔ اور قبل گزرنے اوس کے جس کی مہلت دی گئی ہے اوسکا مطالبہ نہ ہونا چاہیے۔ صورتہ مستفسرہ میں چونکہ عند العقد مہر کو مطلق چھوڑا ہے یعنی معجل یا مؤجل ہونے دونوں سے کلام ساکت ہے بعد رواج قدم نیز اوسکے موافق پس ہندو یعنی زوجہ زید کو اختیار ہے جب چاہے اور جس وقت چاہے اپنے کل

حق کا مطالبہ زید شوہر سے کرے۔

فی البدایہ نقل عن النہایہ قال ابو یوسفؒ (إن موجب النکاح عند الاطلاق تسلیم المهر عیناً اودیناً) یعنی وقت اطلاق مہر یعنی بحالت کہ مہر مطلق ہو معجل بالعین یا مؤجل باہمزہ ہونے کی قید اوسکے ساتھ نہ ماخوذ ہو مقتضائے عقد نکاح یہ ہے کہ زوج مہر کو زوجہ کے حوالہ کر دے اور اوسکے ادا سے فارغ ہو بلکہ امام ابو یوسف کے نزدیک بصورتہ مؤجل ہونے مہر کے زوجہ حق رکھتی ہے کہ اپنے حق کا مطالبہ کرے اور تا اداء مہر اپنے کو زوج کے پاس جانے سے روکے وعن الثانی ابو یوسفؒ (لہا نفسہ ان اجلہ مکہ وہ بنتی استحساناً) وعن الصدرا الشہید فی الثامیہ (قال فی مسئلہ التاجیل لبعض ان لہ الدخول فی دیارنا بلا خلاف لان الدخول عند اداء المعجل مشروطاً عرفاً وادصاراً کالمشرط ونصاً امانی التاجیل الکل فینشر مشروطاً لاعتقادنا فکین الدخول علی قول الثانی استحساناً وہ بنتی) یعنی بحکم عرف اگر بعض مہر کو مؤجل بہ تمیز کہاجائے تو زوجہ اپنے نفس کو زوج سے نہیں روک سکتی زوج بعد اداء اوس مقدار کے جو اس نے معجل دینا اپنے ذمہ لیا تھا زوجہ سے وطی کرنے کا حق رکھتا ہے اور بحکم عرف گویا مشروط ہے کہ بعد اداء معجل زوج کو وطی سے نہ روکا جائے والمشرط و طعناً کالمشرط ونصاً۔ مگر مہر بہ تقدیر تاجیل الکل یعنی بصورتہ مؤجل ہونے کل مہر کے یہ شرط نہیں نہ عرفاً نہ نصاً پس قول امام ابو یوسفؒ پر بحکم قیاس استحساناً تا اداء کل مہر زوج وطی نہیں کر سکتا اور زوجہ کو حق ہے کہ بغیر اداء مہر زوج کی وطی سے روکے اور فتویٰ قول امام ابو یوسفؒ پر ہے وہو لاحق بالاخذ فان الاستحسان مقدم علی القیاس۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳۰۔ در بارہ سفر حج عورت بغیر محرم و وصولی اخراجات زائدہ از ڈگری

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عورت باوجود اپنے شوہر اور بھائی کی موجودگی کے اور کسی رشتہ دار مستورات کے جنکے ہمراہ یہ سفر کرنا چاہتی ہے محرم ہیں لیکن اسکے محرم نہیں اس صورتہ میں اگر حج کیا جائے تو کیسا ہے اور ادا ہو گا یا نہیں۔

۲۔ زمیندار جو کاشتکاران پر بتایا لگان کی ثالثات دائر کرتا ہے اور اپنے پاس سے اس کے متعلق خرچ کرتا ہے تو عام طور پر عدالت سے جو زمیندار کو ڈگری خرچہ کی دیجاتی ہے وہ خرچہ ڈگری زمیندار کے خرچ شدہ رقم سے بہت ہی کم ہوتی ہے کیا اس حالت میں زمیندار کو جائز ہے کہ وہ خرچہ زائد موافق حساب کر کے مطالبہ لگان میں بڑھادے اور اسکو سود کے نام سے منسوب کر دے اسلئے عدالت سے سود کے ساتھ ڈگری ملتی ہے اور کسی دوسرے طریقہ سے ڈگری نہیں ملتی باوجودیکہ زمیندار کی نیت سود لینے کی ہرگز نہیں ہے لیکن اس خرچ زائدہ کے نقصان سے بچنے کے لئے یہہ ذریعہ اوسکے لئے جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب

گو بعض روایات فقہہ سے صورت مستفسرہ کے اجازت نکلتی ہو مگر یہ زمانہ پر آشوب ہے اور زنا و دوائی زنا سے بچنا دشوار ہے ایسے حالات میں عورت کا بغیر محرم سفر کرنا کسی طرح جائز نہیں حدیث صحیح (لا یحل لامرأة تؤء من بالله والیوم لا خرتا فرمسیرة ثلاثہ ایام ولیا لہا الا معبا محرم) اصل مذہب یہہ ہی ہے کہ عورت کے لئے وجوب حج کے بارہ میں محرم کا ہونا شرط ہے فی فتاویٰ قاضی خان (ولایثبت استطاعت المرأة اذا کان بینہا و بین مکة مسیرة سفر ثابتہ کانت او عجزت الا محرم) وعند الشافعی "یجوز لہا المسافر بغیر محرم فی فقہہ لہا نساء ثقات۔ بالجملہ بصورة مستفسرہ عندا امامنا الاعظم عورت کو سفر کرنا جائز نہیں۔

۲۔ خرچہ کاروپہ مدعا علیہ سے لینا علماء کو اس میں خلاف ہے اوسکی ضرورت کی بنا پر سود کا فیصلہ کیونکر صحیح ہوگا نیز عدالت سے خرچہ ضروری دلویا جاتا ہے البتہ اپنے کام کی جلدی میں یا کسی اور ضرورت سے مصارف جو قانوناً جائز ہیں اور اہل معاملہ کو پیش آتے ہیں وہ عدالت سے البتہ نہیں دلائے جاتے۔ وہ خود کسی طرح ضروری نہیں اذکو اس مرتبہ ضروری سمجھنا کہ ہر حال وصول کجا میں ولو بحیلۃ ربوا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بالجملہ میرے نزدیک معہ حیلۃ صحیح نہیں ہرگز نکہا جائے بے شک ایمان کا یہ متفقہا کہ ہرچوٹے بڑے گناہ سے ہر طرح حذر رہے سود خواری معاصی عظیمہ میں سے ہے

اوس سے بدرجہ اولیٰ حذر کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳۱۔ در بارہ صلوٰۃ الجمعۃ فی القریہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دو گاؤں جو قریب قریب آباد ہیں اور بمنزل واحد کے ہیں نمازی تقریباً اسی نوے آدمی ہوں گے ایک مسجد بھی ہے اور موٹا کپڑا بھی ملتا ہے ایسے گاؤں میں عند الشرح صلوٰۃ جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں مدلل بیان فرمایا جائے۔

الجواب

حدیث میں وارد ہے (لا جمعۃ ولا تشریق لآ فی مصر جامع) و بحکم ہذا الحدیث امام ابو حنیفہؒ جو ب نماز جمعہ وعیدین کی واسطے مصر ہونا شرط ہے۔ مصر کی تعریف کے بارے میں علماء کے اقوال مختلفہ ہیں تیسرا علی الامۃ وابۃ للجمعة (فانہا من آثار شؤکت الاسلام ومن شعائر العظمت للمسلمین) فی زمانہ اس تعریف کو اندکیا جاتا ہے جس میں اکثر حوائج ضروریہ مل سکیں اور اوس میں مکانات ہوں اور چند مساجد اور آبادی اہل اسلام استدر ہو کہ اگر وہ سب اہل اسلام جمع ہوں تو اوس جگہ کے جو بڑی مسجد ہو وہ اوس جماعت اہل اسلام کو نا کافی ہو اور ظاہر کہ اس تعریف کے موافق قصبات اور بڑے گاؤں جسکو عرفاً بڑا گاؤں کہیں جیسے رجب پور۔ اد جہاری وغیرہ بحکم مصر ہیں اور نماز جمعہ وعیدین اوس میں صحیح۔ صورتہ مستفسرہ اس تعریف کے موافق فی حکم المصر نہیں ہو سکتی لہذا مقلدین امام اعظمؒ کو اوس میں جمعہ وعیدین کا پڑھنا صحیح نہیں۔ چاہے جو قصبہ قریب ہو اور بعد اداء نماز جمعہ اوس سے واپسی آسان اور بہ سہولت اپنے گاؤں میں شب باشی ہونا متوقع اوس قصبہ میں جا کر نماز جمعہ ادا کریں۔ ورنہ ظہر کی نماز پراکتفا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳۲۔ دربارہ قیام امام دارالحرب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مقتدیوں کے اول صف کے درمیان امام جماعت کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے آگے کھڑا ہونا چاہئے لفظ امام خود تقدم کو چاہتا ہے البتہ اگر جماعت عورت کی ہو اور عورت امام ہو تو بلحاظ زیارت سترہ وسط میں کھڑی ہو سکتی ہے۔ (اگرچہ یہ جماعت مکروہ ہے)

سوال نمبر ۲

امام جماعت صف سے کم از کم کس قدر فاصلہ پر اور زیادہ سے زیادہ آگے بڑھ کر کس قدر فاصلہ پر کھڑا ہو سکتا ہے۔

الجواب

استدرکہ پیچھے اور اسکے مقتدیوں کو سجدہ مسنونہ کرنا سہل ہو۔

سوال نمبر ۳

تنگی جبکہ وغیرہ کی وجہ سے امام جماعت مقتدیوں کی صف سے کم و بیش ایک بالشت آگے ہووے اور اس وجہ سے امام جماعت نے دائیں بائیں دو مقتدیوں کا کندہ ہے سے کندہ ملا ہوا اور کس قدر فاصلہ ہو تو کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

بحکم الضرورة بحالت تنگی مسجد اور ہجوم جماعت یہ صورت جائز ہوگی در نہ مکروہ۔

سوال نمبر ۴

وضو کر نیکی نالی کے اندر کی طرف کنارے بر فرش وضو کے مستعمل پانی سے بھیگ گیا ہے اس بھیگے ہوئے فرش پر کھڑے ہو کر نماز جائز ہے یا نہیں اور اس مستعمل پانی سے بھیگا ہوا کپڑا پاک ہے یا نہیں۔

الجواب

وضو کا پانی علی القول الرائج پاک ہے وہ ظاہر ہے البتہ مطہر نہیں پس نہ بھیگا ہوا کپڑا ناپاک اور نہ جگہ تر شدہ نجس۔

سوال نمبر ۵

اکثر مسجد و مکی پچھیت میں اندر کی طرف قد آدم سے زیادہ بلند محراب ہوتی ہے جس جگہ امام جماعت سجدہ کیا کرتا ہے اور ایک محراب ہوتی ہے جس کے نیچے امام جسکو اکثر مقتدی دیکھتے ہیں کھڑا ہوتا ہے یہ امام جماعت کا کھڑا ہونا کیا کسی صورت میں ناجائز ہے اور اس طرح پر مسجد کے ٹکنے کے دوران میں بھی دو محراب میں ہوتی ہیں کیا ان دونوں محرابوں میں امام کو کھڑا ہونا چاہئے۔

الجواب

یہود و نصاریٰ کے معابد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ بالکل علیحدہ ہوتی ہے اور ظاہر کہ تشبیہ بالیہود و انصاری مذموم و ممنوع۔ پس اگر محراب مسجد حقیقہ علیحدہ ہو قیام امام ایسی محراب میں ضرور ناجائز اور اگر حقیقہ علیحدہ نہ ہو بلکہ فی الجملہ صورت علیحدگی ہو کما ہوا للتعارف فی اکثر المساجد تو بوجہ اشتباہ بالتشبیہ عند البعض قیام فی المحراب نیز مکروہ ہے کہ امام صف اول کے اکثر مقتدیوں پر غشی نہ ہو اور بے حجاب نظر نہ آوے تو ان کے نزدیک وہ سب اول صورتیں جسمیں اخفا لازم ہو مثلاً قیام فی المحراب یا قیام امام بین الجدارین یا میان درہائے مسجد سب مکروہ ہیں اور خلاف عمل امتہ الا بغیر درت ضیق المکان و هجوم الجماعة۔

بالجملہ وہ محراب درون جو قد آدم سے زیادہ بلند ہے اوسمین قیام امام ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے اور دوسری محراب میں بوجہ اخفاء امام اور نیز بوجہ تشبہ مکروہ اور علیٰ حد اور ہائے مسجد میں قیام امام مکروہ اور ترک اوٹ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳۳۔ در بارہ طلاق جواب

جس خط کی نسبت مرد یعنی زوج نے سب مجسٹریٹ و منصف کے رو برو اپنی دستخطی ہونے کا اقرار کیا ہے اوسمین صاف و صریح یہ فقرہ موجود ہے اس طلاق والی عورت کا کونسا حق ہے اور وہ وثیقہ کہ دوسری عورت سے جب اوسنے نکاح کیا اور اوسکے باپ کو وثیقہ لکھ کر دیا اوسمین یہہ تصریح کہ میں پہلی عورت کو طلاق دیدیا ہوں یہہ دونوں لفظ از جملہ الفاظ صریحہ ہیں اور الفاظ صریحہ کا یہہ حکم کہ بحجۃ الصدور طلاق واقع و مستحق نہ عزم و ارادہ کی حاجت نہ نیت کی ضرورت نہ لا و جدا یہہ طلاق ثابت خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے فرماتے ہیں (ثلث جدھن جد و ہذ لہن جد النکاح و الطلاق و العتاق) بالجملہ وقوع طلاق میں کوئی تردد نہیں۔ فقہا علیہم الرحمۃ کے نزدیک کتابت نیز فی حکم التلفظ ہے۔ فی در المختار علی فتاویٰ الشامیہ (کتب الطلاق ان میںنا علیٰ نحو یوم وقع ان نوبی و قال فی حاشیا الدر المختار المشہورہ بالتقاویٰ الشامیہ (ان کانت مرسومۃ یقع الطلاق نوبی وان لم ینو) و قال فیہا فی مقام آخر (یعنی بالمرسوم ان یکون موہوداً معتوباً قبل ما یتکب الے الغائب) چونکہ یہہ خط اپنے خسر صاحب کا نام لکھکر بھیجا ہے تو اوسکا مرسوم ہونا ظاہر بالجملہ الفاظ مذکورۃ الصدور سے ضرور طلاق واقع ہوگئی۔ مگر چونکہ دونوں مرتبہ لفظ طلاق صریح کا اطلاق ہوا ہے طلاق رجعی واقع ہوئی لیکن اس کے بعد پہنچنے اس خط کے فیما بین زوجین مفارقت واقع ہوئی اوسکو مدت سہ سالہ گزر گئی لہذا وہ طلاق بحکم طلاق بائن ہے اسلئے کہ طلاق رجعی بعد گزرنے مدت عدۃ کے بائنہ ہو جاتی ہے۔ اسوقت عورت یعنی اوس زوجہ مطلقہ کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے اور زوج اول پر بغیر نکاح جدید حلال نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۴۔ دربارہ پردہ تاجنا جواب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مرد بیٹا ہو یا تاجنا بشرطیکہ غیر محرم ہو پردہ کرنا اس سے ضرور ہے جیسے مرد کو اجنبی عورت کا دیکھنا جائز نہیں عورت کو بھی مرد اجنبی کا دیکھنا جائز ہے۔ پس مرد اگر تاجنا ہے تو عورت تو تاجنا نہیں اور مرد تاجنا سے پردہ کرنا ضرور ہے۔ جو شخص اپنی منکوحہ وغیرہ کو اجنبی مرد کے سامنے آنے دے اور اسکو گوارہ کرے گونا گونا جانے وہ شخص فاسق ہے لائق اسکے نہیں کہ اسکو امام بتایا جائے مقتدی لوگ خود مرتکب اسکے ہوں یا نہ ہوں امام پر لازم کہ وہ اپنے طریقہ سے توبہ کرے اور اپنی عورت کو ہر اجنبی سے پردہ شرعی کے ساتھ رکھے ورنہ ضرور گنہگار ہے اور لائق اسکے امام نہ بتایا جائے۔

۳۵۔ دربارہ طلاق

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے نصیحت کہا کہ فلان عورت کے مکان پر کیوں جاتا ہے۔ شخص مذکورہ نے کہا کہ وہ عورت میری زوجہ ہے۔ شخص مذکور نے بھائی سے منکر کہا کہ تیری زوجہ منکوحہ اور تیری اولاد کہاں جائیں اس شخص نے کہا میں نے طلاق دیا اور لفظ طلاق ایک بار کہا اور لفظ دیا دو یا تین بار کہا باہر نکلنے پر شخص مذکور نے طلاق سے انکار کیا اور کہا میں نے بھائی کے دہکانے کی غرض سے کہا تھا میں اپنی زوجہ سے ناراض نہیں ہوں نہ میں اس کے مخاطب ہوں اب فرمائیے کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو رجعی یا بائنہ یا مغلطہ۔

جواب

دفع طلاق کی واسطے بے شک خطاب الے الزوجہ یا اضافت الی الزوجہ ضرور ہے اور جو الفاظ منجانب شخص مذکور فی السؤال نقل کیے گئے ہیں اوکھین نہ اضافت الے الزوجہ ہے اور نہ خطاب مگر چونکہ یہ الفاظ مذکورہ یعنی میں طلاق دیا بجواب اس فقرہ کے کہے ہیں کہ تیری زوجہ منکوحہ اور

تیری اولاد کہان جائیں اور ظاہر ہے کہ جواب کا مطابق سوال ہونا چاہیے گواضافت الی الزوجہ صراحۃً مذکور فی عبارت نہیں۔ مگر بقرینہ سوال مذکور معنا و حکما ضرور مذکور ہے اور اضافت معنویہ وقوع طلاق کے بارہ میں کافی ہے لہذا طلاق بے شبہ واقع لیکن چونکہ لفظ طلاق ایک بار مذکور ہے اور لفظ دیا جو دو تین بار کہا ہے وہ ظاہر لفظ اول کی تاکید پس ایک طلاق رجعی واقع ہوگی مگر معلوم ہوا کہ عورت کو وقت طلاق حمل تھا اور اب چند ماہ گزرے جو وضع حمل ہو چکا تو چونکہ حاملہ کی عدۃ وضع حمل ہے اور بعد گزرنے عدۃ کے طلاق رجعی بحکم طلاق بائنہ ہے تو لازم کہ فیما بین زوجین اگر وہ دونوں باہم راضی ہوں تو نکاح جدید کر دیا جائے بغیر تجدید نکاح زوجہ مذکورہ شوہر مذکور پر حلال نہیں۔ واللہ علم بالصواب

۳۶۔ در بارہ بوسیدن ابہام در آذان

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آذان میں بوقت نام پاک رسول ﷺ کا سکر انگوٹھا چومنا اور آنکھ سے لگانا سنت ہے یا فرض یا کیا۔ جواب صاف حدیث صحیح مع ترجمہ حدیث مرحمت فرمایا جائے۔

جواب

نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب ہے نہ مستحب بلکہ بدعت ہے اور بے اصل جو احادیث اس بارہ میں نقل کی جاتی ہیں اور جن روایات کے بھر دسہ تقبل ابہام کو سنت یا مستحب سمجھا جاتا ہے وہ جملہ بہ تحقیق محدثین نامعتبر ہیں بلکہ از جملہ موضوعات۔ امام شوکانی کتاب فوائد مجموعہ فی احادیث الموضوعہ میں تحریر فرماتے ہیں (من قال صلی علی محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمن مقاصد اللہ فی احادیث المستمرو علی اللہ میں تحریر فرماتے ہیں لا یصح فی المرفوع من کل ہذا شئ۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے تذکرہ الموضوعات میں ان احادیث کو از جملہ

موضوعات تحریر فرمایا ہے۔

روایات فقہ جواسکے استجاب میں خزانۃ الروایات یا کنز العبادات وغیرہ میں نقل کیجاتی ہیں وہ بھی نامعتبر ہیں کتب متداولہ و معتبرہ عند العلماء میں کہیں اس قسم کی روایات کا پتہ نہیں اور خود یہ کہتا ہیں جن سے ان روایات کو نقل کیا جاتا ہے اور نام انکے اوپر مرقوم ہوئے عند العلماء نامعتبر ہیں۔ ان کتب میں رطب دیا بس کو بلا تنقیح جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ النافع الکبیر میں اسی مضمون کو مفصل لکھا ہے بالجملة مسئلہ تقبل ایہا میں ایک بے اصل مسئلہ ہے احادیث صحیحہ و روایات معتبرہ کے بالکل خلاف ہے۔ واللہ علم بالصواب

۳۷۔ در بارہ تکرار جماعت جواب

اما بعد بندہ نحیف خادم الطلبة احقر الزمن احمد حسن الحسینی الامروی غفرلہ بہ خدمت برادر مکرم جامع کمالات جناب مولوی عبد الجلیل صاحب سلمہ بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے نامہ پہنچا ممنون فرمایا۔ چونکہ فی الجملہ علیل تھا اور نیز برادر زادہ نوجوان جسکی عمر اٹھارہ سال کی ہے اور اپنے باپ کے ایک ہی تھا اور اس بناء پر سکوعزیز تھا اچانک بیمار ہوا اور فوراً انتقال کر گیا اسلئے تمام خاندان پر وہ صدمہ ہے کہ لائق بیان نہیں۔ دعا فرمائیے کہ رب کریم اوکی مغفرت فرمائے اور وابستگان کو صبر کے ساتھ نوازے اور اسکے والدین کو نعم البدل عطا فرمائے آمین

مع ہذا ہجوم کار متعلقہ ان وجود سے جواب نامہ میں دیر ہوئی معاف فرمائیے۔

اب سنئے از جملہ شرائط جمعہ جماعت نیز ہے اور علی مذہب الاصح تکرار جماعت فی مسجد واحد مکروہ ہے۔ حضرت انسؓ جو حضور نبی کریم ﷺ کے خاص خادم ہیں اور دس سال کامل شرف محبت اور تشریف حضوری سے مشرف رہے ہیں روایت فرماتے ہیں (کانوا اصحاب رسول اللہ صلعم اذا فاقتم الجماعت یصلون فرائی) و جناب ختمی مآب علیہ انوار صلوٰۃ و سلام ایک مرتبہ گروہ

انصار میں جو ایک مناقشہ تھا فیما بین ان کے مفروض مصالحت تشریف لے گئے تھے اتفاق سے تشریف لانے میں دیر ہوئی تو گردہ صحابہ نے انتظار کر کے نماز باجماعت پڑھ لی آپ جب تشریف لائے چونکہ مسجد میں نماز باجماعت ہو چکی تھی باوجودیکہ مسجد نبوی ﷺ میں نماز جماعت سے ادا کرنا کیسا کچھ موجب فضل ہے اور خود سرور عالم ﷺ کیسے کچھ حریص الطاعتہ مگر بوجہ مکروہ ہونے جماعت ثانیہ کے اپنی مسجد میں جماعت کا تکرار فرمایا اور اندر مکان کے تشریف لیجا کر گھر کے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے ساتھ جماعت سے نماز ادا کی۔

فتہا علیہم الرحمہ جو یوں لکھتے ہیں (واذا عید الجماعۃ باذان واقامتہ فیک اللہ فلا) اس عبارت سے تکرار جماعت کو جائز سمجھنا اہل فہم سے مستبعد ہے پر ظاہر ہے پہلے فقرہ میں جس کراہت کو ثابت فرمایا دوسرے فقرہ والا فلا میں اسکی نفی فرماتے ہیں اور یہ مسلم اور نیز مصرح کہ اعادہ جماعت باذان واقامتہ مکروہ تحریمی ہے پس حاصل یہ ہوا کہ اعادہ جماعت بغیر اذان واقامتہ مکروہ تحریمی نہیں۔ باقی کراہت تنزیہی وہ بحال خود کما ثبت من فعل ﷺ ومن فعل الصحابہ لفظ لا باس ویباح چونکہ مکروہات تنزیہیہ پر نیز اطلاق ہو جاتا ہے لہذا بعض نے اعادہ جماعت کو لا باس ویباح جان کر تعبیر کیا۔

امام ابو یوسفؒ نے جو روایت جواز اعادہ جماعت مروی ہے مشروط ہے اس بشرط کے ساتھ کہ زاد یہ مسجد میں بلا تداعی (یعنی بلا اعلان) ایک دو کے ساتھ ادا کیجائے۔ بالجملہ اعادہ جماعتہ باجماعت کثیرہ وباتداعی حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے پس جماعت مسنونہ مشروعہ صرف جماعت اولے ہے نہ ثانیہ۔

لہذا جماعت ثانیہ شرعاً کان لم یکن ہے اسلئے بعد ہونے جماعت کے اسی مسجد میں تکرار جماعت جائز نہیں بلکہ فقہا میں جسے جماعت ثانیہ کو جائز بلا کراہت کہا کما ہونذہب احمد واسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ ان کے نزدیک نیز جماعت ثانیہ برائے نام جماعت ہے جو ثواب عظیم جماعت پر موعود ہے اوسمیں نہیں اور جو وعید کہ ترک جماعت پر وارد ہے تارک جماعت اولے

داخل ہے۔

پس حقیقت میں جماعت گویا کیسے نزدیک متحقق نہیں اوس وعید میں اور وجود اوسکا گویا کان لم یکن جمعہ جسکی شرط سے جماعت ہے تکرار جماعت کے ساتھ کیونکر ادا ہو۔ بیشک مکروہ ہے البتہ چونکہ جمعہ جامع الجماعت اور اسوجہ سے فقہاء کے نزدیک جواز تعدد جمعہ نیز مختلف فیہ ہے (کر و ظہر معذور و مسجد بہ جماعت فی مصر یومھا لان الجمعة جامعہ للجماعت فلا یجوز الا جماعۃ واحده۔) الا یجوز الجمعة عند ابی یوسفؒ فی موضعین الا اذا کان لاجناب فمصر فی حکم المصرین کبغداد فی جوز حینئذ موضعین دون الثلثہ وعند محمدؒ لابی اسبان۔ ہضلی فی موضعین او مثلثہ سواء کان المصر جانبان اولم یکن بہ یفتی بالجللہ جمعہ جامع الجماعت ہے اور مسجد جامع نے اون جماعت کو کہ مساجد متفرقہ میں ہوتی ہیں اپنے اندر جمع کر لیا ہے پس جیسی کہ مساجد محلہ نماز پنجگانہ کے واسطے مسجد جامع محل جماعت ہے اور موضوع الجماعۃ نہ بیوت محلہ علی ہذا اس نماز جمعہ کی واسطے مسجد جامع محل جماعت ہے پس جیسا کہ در صورت ترک جماعت فی مسجد محلہ تکرار جماعت فی مسجد محلہ مکروہ ہے علی ہذا در صورت فوت جمعہ فی مسجد جامع تکرار جمعہ فی مسجد جامع جائز نہیں مکروہ ہے ہاں اور مساجد محلہ میں سے جو کہ بمنزلہ بیوت محلہ نہیں اگر کسی مسجد محلہ میں جمعہ ادا کیا جائے علی مذہب امام محمدؒ جائز ہے اس بیان اور تمثیل سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہوگا کہ اداء جمعہ فی المسجد الجامع کیا کچھ افضل ہے۔ مسجد جامع یا جس مسجد میں نماز جمعہ پڑھ لیا جائے چونکہ جماعت ثانیہ شرعاً جماعت مسنونہ نہیں بوجہ فوت ہونے صحت شرط کے اعادہ جمعہ صحیح نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳۸۔ در بارہ تعمیر مسجد از مال حرام

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ ایک مسجد شکستہ ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اوسکا تکفل ہو کر اوسکا بندوبست تعمیر کا کرے پس سب لوگ اہل بستی نے یہ مشورہ کیا کہ اپنے اپنے حیثیت کے موافق ہر شخص چندہ دیوے مکروہ لوگ سابق میں چوریان کرتے تھے اور

شہادت کا ذبہ پر حریص اور جو کچھ اس وقت جائداد یا سامان انکے پاس ہے اسی روپیہ مقصوبہ یا اجرت شہادت کا ذبہ کا ثمرہ ہے مگر اب وہ لوگ تائب ہو گئے ہیں اور نوکری وغیرہ کرتے ہیں آیا اون لوگوں کا روپیہ لیکر تعمیر مسجد میں صرف کیا جائے یا نہیں نیز اس طرح ایک شخص نوکری کرتا ہے اور کچھ روپیہ سود پر دیا ہے اور اس سودی روپیہ سے ایک شئی خریدی اب اس شئی کی کمائی تعمیر مسجد میں لگائی جائے یا نہیں اور وہ شخص یہہ بھی کہتا ہے کہ یہہ شئے میں نے اصل روپیہ میں لی ہے آیا اس کا قول معتبر مانا جائے یا نہیں

الجواب

چوری زنا وغیرہ مال حرام خالص ہے مسجد وغیرہ تعمیر کرنے یا اور مصارف خیر میں صرف کرنا شرعاً مستحق اجر نہ لائق قبول حدیث صحیح میں ارشاد ہے (إِنَّ لَا يُقْبَلُ الصَّلَاةُ بِغَيْرِ طَهْرٍ وَلَا الصَّدَقَةُ مِنْ غُلُولٍ) یعنی نہ بغیر وضوء نماز اور نہ صدقہ وغیرہ مال حرام سے درست البتہ مناسب حال یوں ہے گویہ امید مقبولیت نہیں مصارف خیر میں اپنے کی عادت رہے تاکہ آمدنی حلال کے وقت صرف فی سبیل اللہ ہو اور عادتہً بخل نہ پڑے۔ بالجملہ مال حرام سے مصارف نیک جائز نہیں۔ اہل ملازمت کا نوکری کے روپیہ سے صرف کرنا اور اس سود خوار کا اصل روپیہ صرف کرنا صحیح ہے اور تعمیر مسجد اس روپیہ سے جائز۔ ہاں خالص آمدنی مال حرام ہو یا غالب مال حرام ہو تو چاہے حلال مال دیے قرض لیکر اور نیت یہہ رکھے کمائی وغیرہ کر کے حلال مال سے ادا کر دوں گا یہہ روپیہ قرض لیا ہوا نیز تعمیر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے تاہم وہ روپیہ جو تعمیر مسجد میں اسنے قرض لیکر دیا تھا اس سے تعمیر مسجد درست ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳۹۔ در بارہ تصرف غسلمانہ مسجد

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مسجد کے غسلمانہ کو جو بیرون احاطہ مسجد ہے اپنا مدفن قرار دیا اور بجائے اس کے دوسرا غسلمانہ اپنے حصے سے آرائشی موقوفہ میں

بناد یا غسلخانہ قدیم متصل مسجد در مسجد ہے اور جدید غسلخانہ تخمیناً دس بارہ قدم کے فاصلہ پر ہے اور غسلخانہ قدیم اور سقاوہ کا الحاق ایسا تھا کہ غسل اور وضو کو ایک ہی مکملی ہو جاتا تھا۔ سقاوہ کی ایک ایک ڈاٹ دونوں طرف ہے۔ جدید غسلخانہ کی وجہ سے بغیر گھرے کے کارروائی نہیں ہو سکتی اور باعث تکلیف ہے پس ایسی حالت میں غسلخانہ قدیم منہدم کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

بعد الوقف و لزومہ خود واقف و متولی کو وہ تصرفات جائز نہیں ہوتے جو علی خلاف شرائط الوقف ہوں یا علی خلاف مصلحت الوقف ہوں شخص غیر کو کیونکر جائز ہوگا کہ آراضی موقوفہ و آراضی متعلقہ مسجد کو اپنی کسی حاجت کے لئے معین کرے اور وہ بھی اس حالت میں کہ نہ مصلحت مسجد موافق ہو اور نہ اہل محلہ اوپر راضی چنانچہ طرز سوال سے واضح ہے کہ اہل محلہ و مصلیان مسجد کو یہ تصرف اسکا باعث تکلیف ہے اسی بناء نوبت استثناء پہنچی بالاجملہ یہہ تصرف زید کا ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۴۰۔ در بارہ سامان مسجد بہ مسجد آخر

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر مسجد کے اوپر اور ایک درجہ بنا ہوا ہے اسکو کسی خوف کی بنا پر اتر وادین یا فیصل کو علیحدہ کر دیا جائے تو اس صورت میں اس میں سے جو اثینین وغیرہ نکلی ہیں انکو کسی دوسرے مصرف خیر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب

جہاں تک ہو سکے حوائج مسجد میں صرف کیا جائے اور جس مکان کو منہدم کیا ہے اسکو از سر نو تعمیر کیا جائے اور بصورت استغنا اس مسجد کے نقل اسکا دوسری مسجد کی طرف بھی جائز ہے نیز اگر کچھ معاوضہ لے لیا جائے تو بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جبکہ مفسرین نے تفسیر آیت (ما احل بغیر اللہ) میں قید عند الذبح کا اعتبار فرمائی تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جانور کو جو مندر اور غیر اللہ ہے بوقت ذبح صرف نام خدا لیکر ذبح کر لے اور نذر بغیر اللہ کی نیت باقی رہے اور حلال لغیر اللہ بوقت ذبح نکلیا جائے تو کیا وہ ذبیحہ درست ہوگا اور کھانا اور سکا حلال اور جائز ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی کچھ قول صاحب تفسیر احمدی سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ قول فقہاء اور علماء بالکلیہ اسکے خلاف ہے پس تطبیق کی کیا صورت ہے۔

الجواب

جو ذبیحہ مندر اور غیر اللہ ہو اور تادم ذبح نذر غیر اللہ باقی رہے اور صرف عادتاً بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے بے شک وہ ذبیحہ مثل اوس ذبیحہ کے ہے جو مندر اور غیر اللہ ہو اور نیز نام غیر اللہ پر ذبح کیا جاوے درست و جائز نہیں اور کھانا اور سکا بحکم نص حرام ہے۔ باقی رہا شبہ قول مفسرین جواب اسکا یہ ہے کہ حقیقتہ میں یہ قول اور یہ قید کی طرح منافی قول اور مذہب فقہاء کے نہیں۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ اس قید کے دو اعتبار ہیں یا یہ قید واقعی ہے یا احترازی در صورت واقعی ہونے قید ہذا کے معنی آیت شریفہ کے یہ ہیں کہ حقیقتہ میں یہ آیت بحق مشرکین عرب نازل ہے اور چونکہ اونکا یہ حال تھا کہ جو چیز جسکی نذر ہوا کرتی تھی اسکے نام سے ذبح کیا کرتے تھے یعنی مندر اور اللہ کو بنام اللہ اور مندر اور غیر اللہ کو بنام عینہ پس مفسرین نے ان کے حال کے موافق اسی قید واقعی کا اظہار کر دیا اور صورت مسئلہ سے کچھ تعرض نہیں ہاں صورت مسئلہ بھی حکم آیت مطلقہ میں داخل ہے اور حالت قید بطور علت مشترکہ کہ اس جگہ عبارت نذر غیر اللہ سے ہے حکم حرمت میں شامل ہے اور بوقت قید احترازی یہ معنی ہونگے کہ جو چیز واسطے غیر اللہ بوقت ذبح حلال کجاے ایسا ذبیحہ حرام ہے اور جائز نہیں یعنی اگر ہنگام ذبح وہ حلال سابق کہ واسطے غیر اللہ کے تھا مبدل نہو اور ہنوز نیت غیر اللہ تادم ذبح باقی رہے (جیسا کہ مسئلہ صورت) ایسا ذبیحہ ہرگز جائز نہیں اور اگر بوقت ذبح وہ

نیت باقی نہ ہے بلکہ نیت کرنے والا تائب ہو کر اپنی نیت سابقہ سے باز رہے اور نیت غیر اللہ کی بہ نیت نذر اللہ مبدل کر دے بے شبہ و ذبیحہ درست اور صحیح ہے اور اس کے کھانے میں کچھ کلام نہیں۔
غرض دونوں صورتوں میں صورت مسئلہ کی حرمت میں کچھ کلام نہیں اور قول مفسرین بہمہ جہت موافق قول فقہاء کے ہے اور صاحب تفسیر احمدی کے قول کی بھی یہی تاویل ہے اگر ہو سکے بہتر و نہ نسیان میں ہو اور نسیان ممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۴۲۔ در بارہ نذر چندہ بہ تعین مسجد خاص

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ایک شخص نے نذر کی کہ فلان وقت اس مسجد میں استقر چندہ دو گنا مگر جب اس چندہ دینے کا وقت آیا تب اس مسجد کو کچھ ضرورت باقی نہیں رہی اب یہ نذر کرنے والا دوسری مسجد یا کنوین یا کسی مدرسہ یا کسی دوسرے کار خیر میں اس کو خرچ کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

صورۃ مستفسرہ میں صرف اس مقدار روپیہ کا دوسری مسجد بلکہ ہر مصرف خیر میں جائز ہے جو نذر کے متعلق با شرط نہ ہو اگرچہ اس میں کوئی تعین زمان یا مکان وغیرہ ماخوذ کیا جائے معین نہیں ہوتے مطلق ہی رہتے ہیں اور بوجہ اطلاق اس کا علی خلاف تعین الناذر صرف کرنا صحیح ہے فی الدر المختار (والنذر من اعتکاف اوج اولوۃ اوصیاء وغیرہا غیر المعلق ولو معینا لا یختص بزبان مکان ودرہم فلکنذر لتصدق یوم الجمعۃ بمکتہ بہذا الدرہم علی فلان فخالف جاز) و فی الفتاوی الشامیہ (انما جاز لان الداخل تحت النذر ما ہو قریۃ و هو اصل التصدق و لان التعین فبطل التعین) بالجملة چونکہ مقصود ایسے نذر میں تقرب اللہ ہے لہذا ہر مصرف خیر میں صرف جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۴۳۔ دربارہ زوجہ مجنون یا مجذوم

اگر کوئی شخص مجنون ہو جائے اور کوئی صورت صحت و تندرستی کی نہ ہو یا کوئی مرض جذام میں مبتلا ہو گیا اور دن بدن ترقی ہے اور زوجہ مجنون و زوجہ مجذوم کو کس طرح کا عیش و آرام نہیں ایسی صورت میں زوجہ مجنون یا زوجہ مجذوم صبر کرے اور نفس کشی کرے یا دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب

مجنون شرعاً مرفوع العلم ہے کسی حکم شرعی کا وہ مورد نہیں حدیث صحیح میں وارد ہے (رفع القائم عن ثلثہ عن الصبی حۃ مدرک وعن المجنون حۃ یعقل وعن النائم حۃ استیقظ) مجنون اگر طلاق دے واقع نہیں ہوتی فقہاء کے نزدیک یہ مسئلہ اتفاقاً ہے کسیکو انہیں اختلاف نہیں پس مجنون کی بیوی کس طرح علیحدہ نہیں ہو سکتی صبر کرے اور اجر عظیم حاصل کرے۔ اور بعثت اور پاکدامنی کے ساتھ بسر کرے مستحق ثواب عظیم ہوگی۔ جذام میں جو شخص مبتلا ہے اسکو چاہیے طلاق دیکر اس مسکین غریب کو علیحدہ کر دے اگر وہ طلاق نہ لے عدالت سے چارہ جوئی کرے یا اسکو معافی مہر اور کچھ دیکر طلاق لیجائے۔ واللہ اعلم بالصواب

۴۴۔ دربارہ طلبہ مسجد

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ اگر مسجد کے اوپر ایک درجہ بنا ہوا ہے اسکو کسی خوف کی بنا پر اترا دیا جائے یا فیصل کو علیحدہ کر دیا جائے تو اس صورت میں اوسمیں سے جو اثمن وغیرہ نکلی ہیں اسکو کسی دوسری مسجد یا دیگر مصرف خیر میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب

جہاں تک ہو سکے حوائج مسجد میں صرف کیا جائے اور جس مکان کو منہدم کیا ہے اسکو از سر نو تعمیر کیا جائے اور بصورت استغناء اوس مسجد کے نقل و اسکا دوسری مسجد کی طرف جائز ہے والمسلۃ مذکورہ فی کتب الفقہ لا حاجت التصریح۔ نیز اگر کچھ معاوضہ لے لیا جائے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۵۔ در بارہ وتر جماعت بغیر شرکت نماز عشاء

ایک شخص نے فرض عشاء و جماعت سے ادا نہیں کیے اور تراویح جماعت سے پڑھی ایسے شخص وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب

جماعت وتر بلحاظ شرع و عید الجماعت فی التراویح ہے نہ تابع جماعت فرض کو اس مسئلہ میں علماء کو اختلاف ہے مگر فی الصورة المستفسرہ وتر بالجماعت صحیح اور یہ ہی قول راجح ہے اگر امام مع القوم فرض کو بالجماعت نہ ادا کریں تو جماعت وتر و جماعت تراویح دونوں خالی از کربہ نہ ہیں میرے نزدیک قول فقہاء سے یہ ہی مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۳۶۔ مطلب حدیث نوری من نور اللہ

حبیب نے جو اصل جواب تحریر فرمایا ہے اور دیگر حضرات علماء نے اسکی تصحیح فرمائی ہے مجھ بندہ نحیف کو ان سب سے اتفاق ہے ماشاء اللہ سب صحیح ہے۔ بے شک اضافۃ الشی الے الشی نہ عنیۃ کو مقتضی نہ جزئہ کو بلکہ فیما بین مضاف و مضاف الیہ مغائرہ ضرور اور اضافت الشی الے نفسہ محال پس مضاف کا عین مضاف الیہ ہونا کیونکر صحیح ضرور باطل۔ رہا احتمال جزئہ سو مدار اضافت جزئہ پر نہیں بلکہ اضافت لا دنی مد بستہ ہو سکتی ہے۔ علی ہذا لفظ (من) کو یہ لازم نہیں کہ تبعیضہ ہو اور جزئیت پر دلالت کرے پس لفظ من نور اللہ سے بہ تدلیل اضافت نور کو عین اللہ جاننا یا لفظ من کو دال علی الجزئہ قرار دینا دونوں غلط ہیں وہ باری عز اسمہ وجل شانہ نہ کسی شے کا جزء نہ خود کسی شے سے مرکب۔ کتب عقائد و کلام میں یہ مسئلہ صراحت موجود اور عند اہل عقل قاضی مبارک۔ بحر العلوم مولانا عبدالعلی۔ ملا حسن نیز قول ماتن (لا تحکل ولا یتصور) کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔ بالاجملہ یہ وہامہ جزئیت و عنیۃ بالکل غلط ہیں اور نصوص شرعیہ اور عقائد حقہ کے ہمہ جہت خلاف (کیہات کلمۃ تخرج من افواہهم ان یقولون الا کنایا) کیونکہ صحیح ہو پہلا فقرہ جو خود مقتضی نے نقل

فرمایا ہے اور گوئی حد ذاتہ اوہ غلط ہے اور کسی روایت صحیح میں الفاظ فقرہ او لے بعینہ ثابت نہیں مگر بہر حال از جملہ مسلمات خصم ہیں اوس فقرہ او لے میں یہہ ہی لفظ (من) موجود ہے اور علامہ اضافۃ نور الے حضرت القدس یا الے ذات النبی الکریم صلعم تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ تمامی مخلوقات ساتھ ولو کان کذا و کذا جزء نبی کریم ہے یا کل کو حضور کی ذات اقدس علاقہ عینیت ہے نہیں نہیں ہرگز نہیں حاشا ثم حاشا

پس جیسا کہ عند السائل فقرہ او لے میں من تعلیلہ ہے اور اس معنی کو مفید کہ تمامی کائنات کا وجود اوس خالق برتر نے بوساطت وجود محمدی کے مخلوق فرمایا ہے اور تشریف ادا کرنا اضافت النور الے حضرات شریف بہ دلالت کون حضرت العالیہ واسطانی الخلق اور جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کو اکراما روح اللہ اور کعبہ کو تعظیما بیت اللہ کہا گیا علی ہذا نور محمدی کو نور اللہ اور نور محمدی کو اوس خالق برتر نے چونکہ بلا واسطہ کسی مخلوق کے صرف اپنی قدرۃ کاملہ سے مخلوق فرمایا ہے نہ مثل دیگر کائنات۔ اوسکی مخلوقیتہ میں خود وجود محمدی کو واسطہ فی الخلق ہونیکی عزت دی یہہ ہی وجہ ہے کہ آپ کے نور کی اضافت خاص اپنی ذات جلت عظمتہ و تعالیٰ شانہ کی طرف فرمائی اور لکن ذاتہ الشریفہ واسطہ فی الخلق نور خالق کی اضافت الے حضرت الاقدس ہوئی۔ دوسری روایت میں دیکھئے ملائکہ مقررین کا مخلوق میں النور ہونا مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ نور سے نور اللہ مراد تو کیا ملائکہ کو جزء باری تعالیٰ کہہ سکتے ہیں نہ انکو عین اللہ قرار دے سکتے ہیں (تعالیٰ شانہ وجلت عظمتہ عن ذالک کلہ) اصل یہہ ہے کہ خود باری عز وجل واجب الوجود اور تمامی مخلوقات کا وجود اوسی احدیۃ الذات والصفات سے مستفاد وہی وحدہ لا شریک لہ مبدأ کل اور تمامی مخلوقات ہمہ جہت اسکے محتاج وہ سب کا خالق اور سب اوسکے کل عنایت سے مخلوق وجود اور جیسا کہ عالم خلق میں ایک ذات آفتاب کے ساتھ اصالت نور قائم بلکہ خود آفتاب عین نور اور وہی نور آفتاب اپنے مرتبہ انبساط میں جملہ قطعات ارض تمامی عالم میں جلوہ گر اصلی و حقیقی اور وہ جو ذات آفتاب کے ساتھ قائم ہے اور دوسری اشیاء منورہ کا نور ولو کان نجما ولو کان قمر انور اصلی کا کل اور عکس اور ایسکے جود و سخا

اور عطاء اور اسی کی جلوہ گری سے ہر شے منور علیٰ ہذا تمامی کائنات میں بلا تخصیص نبی و ولی وجود باری و نور باری جلوہ گر اور اس کا ظل و عکس کا سب میں پرتو اور ادون سب کا وجود و لوکان ملک و لوکان نبیا وجود ظلی ہے اور اوس ایک واجب الوجود تعالیٰ و تقدس خالق کل کا وجود اصلی اور ادون سب کا مبداء اور باقی سب اپنے وجود میں اویسے درگاہ بے نیاز کے در یوزہ گر خود فرماتے ہیں (اللہ نور السموات والارض) مگر ظاہر کہ ظل نہ عین اصل ہوتا ہے اور نہ جزء اصل۔ آفتاب کا نور باوجود اس نور افشانی و عطاء شبانہ روزی کے نور بحال خود قائم۔ یہ نہیں کہ اوس کی کسی مرتبہ کو تجزی ہوتی ہو اور نور آفتاب خود ذات آفتاب سے منفصل و منتقل ہو کر دوسری اشیاء میں گیا ہو نہیں نہیں بلکہ وہی ایک نور خود ذات آفتاب کے ساتھ بالاصالت قائم ہے اور بحالت انبساط و بطور ظل و عکس دوسری اشیاء میں علیٰ ہذا اصالت و حقیقتہ وجود تمامی کمالات وجود ذات باری کے ساتھ قائم اور بغیر تجزی و بغیر نقل و حرکت رتبہ انبساط میں تمامی کائنات میں جلوہ گر۔ وجود حقیقی اور وجود اصلی ایک اور مرتبہ وجود ظلی میں البتہ تعدد۔ وجود اصلی بے نیاز محض اور وجود ظلی ہمہ حاجت۔ وجود اصلی غیر مخلوق اور سب کا خالق اور وجود ظلی مخلوق اور اوس خالق برتر سے مستفاد دونوں متبائن فی الحقیقتہ ہیں اور سواء اشتراک لفظی و اسمی اور دونوں میں کوئی علاقہ اتحاد نہیں ایک کو دوسرے کے عین کہنا یا ایک کو دوسرے مادہ ترکیب قرار دینا دونوں صریح غلط ہیں بلکہ جب تصریحات حضرات صوفیاء رضوان اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (الاتحاد الحاد) کسی مخلوق کو لوکان نبیا لوکان سید الانبیا المرسلین عین خدا یا عین خالق جاننا ضرور الحاد ہے البتہ یہ ضرور بے شک ضرور کہ جناب ختمی مآب کو از جملہ بشر اعتقاد کہ اور سائر کائنات میں سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل جا میں بے شک نہ آپ جیسا ہوا اور نہ ہو بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد بندہ
 نحیف بیچ کارہ بلکہ ناکارہ مرگ بزرگان خویش احقر الزمن احمد حسن غفرلہ۔ بخد مت سراپا عنایت
 جامع کمالات جناب مولوی قطب الدین صاحب بعد سلام مسنون مدعا نگار ہے نامہ پہنچا منون
 فرمایا حیران ہوں کیا جواب لکھوں یہہ وہ مسئلہ ہے جس کی فقہاء و علماء متقدمین و متاخرین پوری
 تحقیق کر چکے ہیں رئیس الاذکیا سند العلماء جناب مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ نے اس
 بارے میں جداگانہ رسالہ لکھا ہے اور عبدالحی صاحب نے الگ۔ مین ناکارہ جسکو ہنوز مسائل ضرور
 یہ دین پر عبور میسر نہیں کیا تازہ تحقیق کردن صلاح و تن خراب کبھی مگر چونکہ تعمیل ارشاد بزرگان نیز از
 جملہ ضروریات ہے ناچار کچھ نکچہ لکھتا ہوں وار اصلاح اوکی حوالہ فہم ثاقب۔ مولانا صاحب ان
 پڑھے جاہلون کا سمجھنا ناہل مگر ہم جیسے پڑھے ہوئے جاہلون کا جنہوں نے ایک دو کتابیں عربی
 پڑھ کر قرآن و حدیث کا اردو فارسی ترجمہ دیکھ کر وعظ کہنا شروع کر دیا اور اپنے کو بڑا عالم سمجھ بیٹھے
 اونکار و براہ کرا سخت مشکل انکو اظہار علم و اظہار فضیلت کی ضرورت سے نئے نئے مسئلے ایجاد کرنے
 ضرور اپنی نمائش کی بنا پر اختلاف پیدا کر کے دس پانچ معتقد بنانے ضرور۔

بہر حال بڑوں پر طعن کرنا چھوٹوں پر صحابہ کی شان اعلیٰ و ارفع میں گستاخی لازم آوے
 یا مجتہدین کی اوکو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانی لابدی ہے۔

اب فرمائیے جب اصل مقصود ہی فوت ہوتا ہو اور اپنی نمائش کو بیٹہ لگے تو پھر کسی کے
 سمجھائے سمجھیں تو کیوں سمجھیں اور مانیں تو کیوں مانیں۔ اور وہ بھی اس حالت میں کہ مجھ جیسا
 سمجھانے والا ناچیز ہو وہ کب سنتے ہیں میری کہانی۔ ناچار دل رکھتا ہے اور تحریر جواب سے ہاتھ
 ہکوتا۔ مگر بامید انصاف جناب سامی بحکم خیر الکلام باقل و دل کچھ تھوڑا سا مضمون کہہ کر آپ کی سع
 خراشی کرتا ہوں اگر پسند خاطر ہو زہے نصیب ورنہ چاک کر کر طعمہ آتش فرمائیے اور بوجہ کم
 استعدادی بندہ نحیف کو معذور کہئے۔

مولانا جس حدیث کی بنا پر تراویح کی نہیں ہونے سے انکار کیا فرمایا جا رہا ہے اور خم
ٹھوک کر آٹھ ہونے تراویح پر اصرار ہے وہ حدیث ہے جس کو صلوٰۃ تہجد کے بارے میں حضرت
عائشہؓ سے برید بن رضان نے روایت کیا ہے جس کے غالباً الفاظ یہ ہیں (عن عائشہ قالت ما کان
رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیر علیٰ احدى عشرہ رکعہ) سبحان اللہ یہ استدلال بقول
شخصے لڑتے ہیں اور ہاتھ میں ٹکوار بھی نہیں۔ اس حدیث سے تراویح کا آٹھ ثابت کرنا ٹھیک نہیں
حضرت اس حدیث کو تراویح سے کیا تعلق۔ تراویح وہ نماز ہے جسکا ادا کرنا رمضان کے ساتھ مخصوص
ہے غیر رمضان سے اسکو کوئی تعلق نہیں حدیث مذکور میں اس نماز کا بیان ہے جو رمضان اور غیر
رمضان ہر حال میں ادا کیجائے یعنی تہجد نہ صلوٰۃ تراویح۔ پس اس حدیث سے اگر آٹھ رکعت ہونا
ثابت ہوتا ہے تو صلوٰۃ تہجد کا نہ صلوٰۃ تراویح کا۔ اب فرمائیے تراویح کی آٹھ رکعت ہونے پر کیا
دلیل۔ لہذا یہ استدلال اس پر موقوف ہے کہ فقط کان اپنے مدخول کے وجود دائمی کو مقتضی ہو تب
کہہ سکتے ہیں کہ اس روایت سے دائما حضور سرور عالم ﷺ آٹھ رکعت پڑھنا روایت ہے پھر عدد
بست کی صحت کی کیا صورت۔ حالانکہ محقق یون کہ لفظ کان واسطے اپنے مدخول کے دوام پر دلالت
نہیں کرتا چنانچہ مسلم الثبوت وغیرہ کتب اصول میں یہ مسئلہ مسلم ہے علاوہ برین شہادۃ روایات
صحیحہ کان اپنے مدخول کا وجود اکثری بھی نہیں چاہتا چہ جائیکہ وجود دائمی۔ مسلم شریف وغیرہ میں خود
حضرت عائشہ سے مروی ہے (کنث افعلن فلا یزید بہ رسول اللہ ﷺ) یہ واقعہ ایک دفعہ سے
زیادہ ثابت نہیں نیز حضرت عائشہ کنت الطیب رسول اللہ ﷺ قبل ان یتکلف بعد صحت حضرت
عائشہ حضور سرور عالم ﷺ نے صرف ایک ہی حج ادا فرمایا ہے یعنی حجۃ الوداع پس ثابت ہوا کہ لفظ
کان اپنے مدخول کی تکرار وجود کو نیز مقتضی نہیں دوام کیسا۔ اسی بنا پر امام نووی (فی شرح المسلم فی
باب صلوٰۃ اللیل واعداد رکعات النبی ﷺ تحریر فرماتے ہیں۔ قد قالت عائشہ کنا الطیب رسول ﷺ
قبل ان یتکلف و معلوم انہ واحد ﷺ لم یحج بعد ان حجۃ عائشہ اور حجۃ واحد وحی حجۃ الوداع۔
فاستعملت کان فی مرة واحدة۔ مع ہذا بر بناء دلالت کان علی الاعداد یہ روایت مذکورہ

اگر عدد بست کے معارض ہے اور اسکی نفی پر دال تو صلوٰۃ اللیل کی تیرہ رکعت ہوتی یا نو یا سات یا پانچ رکعت ہوئیگی نیز معارض ہوگی اور ان اعداد کی نفی پر نیز دلالت کریگی۔ امام بخاری خود حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی باللیل ثلث عشرۃ رکعتۃ اذا سمع النداء بالصبح رکعتین۔ نیز حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں (ثم یصلی انہا قالت ان النبی ﷺ کان یوتر بخمس ولا یجلس الا فی آخرہ) دوسری روایت حضرت عائشہ سے یون منقول فرماتے ہیں (قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل سبع رکعات حضرت اُم سلمہ سے نقل کرتے ہیں (قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بخمس سبع) پس وجود کان جیسا کہ ان روایات مذکورہ کو معارض نہیں اور نہ ان اعداد سیزدہ وغیرہ کے نفی پر دال علیٰ ہذا روایات حضرت عائشہ بروایت بست کے معارض ہے۔ اور یہہ عدد بست کی نفی پر دال ہے پس جس طور پر ان روایات کو جمع کیا جاتا ہے مثلاً یون کہ صلوٰۃ اللیل کی آٹھ رکعت سے وقوع اکثری ہوا اور تیرہ رکعت یا نو یا سات یا پانچ کا پڑھنا کہہ دیا گیا علیٰ ہذا کہہ سکتے ہیں کہ یہاں پر یہہ صورتہ جمع ممکن ہے کہ کان اپنے مدخول کے نہ دوام کو چاہے نہ وجود اکثری کو مقتضی پس ممکن ہے کہ آپ نے تراویح میں رکعت اکثر پڑھا ہو اور آٹھ رکعت علیٰ سبیل الاتفاق آپ نے بر بناء شفقت علی الامۃ عدد بست پر التزام نہیں فرمایا اور گاہ گاہ آٹھ یا اس سے کم و بیش نیز ادا فرمایا۔ التزام علی العشرین بعد زمان حضرت سرور عالم ﷺ زمانہ صحابہ سے مرتبہ وجود میں آیا جیسا کہ جماعت تراویح کہ یہہ التزام اداء تراویح بالجماعت خود آپ نے شفقت علی الامۃ نہیں فرمایا بلکہ گاہے باوجود حضور جماعت اور باوجود اطلاع آرام گاہ سے باہر مسجد میں تشریف نہیں لائے اور بغیر جماعت میں نماز ادا کی اور بوجہ عدم تشریف آوری یہہ ارشاد فرمایا (حَیْثُ اَنْ یُفْرَضَ عَلَیْکُمْ)

بالجملہ لفظ کان دوام پر دلالت نہیں کرتا پس روایت عائشہ نہ روایت بست کے معارض نہ اس کے نفی پر دال نیز لفظ کان کو اگر دلالت علیٰ الدوام ہو اور مانا جائے کہ لفظ کان اپنے مدخول کے وجود دائمی کو مقتضی ہے تو چونکہ صرف نفی یعنی (ما) تافہ خود (کان) پر داخل ہے پس بجگم مطابقی یہہ

روایت عدم دوام زیادہ علی اور عشرین دلالت کر گئی نہ دوام عدم زیادہ پر۔

رہا ثبوت بست رکعت کا تراویح کا سوا اولاد محتاج ثبوت نہیں تو ارث امتہ علی
العشرین او سکے ثبوت کیلئے کافی دلیل ہے بالخصوص یہہ تو ارث کہ قرون ثلاثہ صحابہ و تابعین و تبع
تابعین میں مشہود لہا بالخیر من زمانہ خلافت عمری سے آج تک انہی رکعات عشرین پر تو ارث عمل رہا
ہے۔ ارشاد نبوی ہے (ما راہ المؤمنین حنا فحس) اور آیت (ولیکن لبم ذنبم الذی ارتضیٰ ہم)
اس تو ارث کی عملی دلیل کافی ہوتی ہے اور عمدہ شاہد علی ہذا تو ارث عملی خواہ زمانہ نبوت کا ہو اور خواہ
زمانہ خلافت خود اقسام حدیث سے ہے اس حالت میں وہ حدیث جس میں تراویح کی بیس رکعت
ہونے کی تصریح ہے اگرچہ ضعیف ہے مگر اس تو ارث امتہ کے لیے عمدہ دلیل اور یہہ تو ارث او سکے
ضعف کے لیے کافی۔ لاریب حضرت جیسے خلیفہ ارشد کا جنگی نسبت یون ارشاد ہے (الحق یطلق
علی لسان عمر) کہیں یون (لو کان بعدی بنیا لکان عمر) کہیں یون ہدایت (اقتدوا بالذین بعدی
الی بکرو عمر) اور کہیں یون وارد (ان وضع الحق علی لسان عمر) اس عدد عشرین پر التزام فرمانا کافی
ہے۔ اور گروہ صحابہ کا جنگی نسبت عام ارشاد ہے (اصحابی کا الخیم باہیم اقتداتم احسنہ ثم) او سکو بلا فکر
تسلیم کرنا ہے چنانچہ امام مالک تحریر فرماتے ہیں (واستقر الامۃ علی ذالک علی العشرین فی
خلافت عمر) خلیفہ ثالث حضرت سیدنا عثمان و حضرت سیدنا علی المرتضیٰ خلیفہ رابع کا اپنے زمانہ
خلافت میں موافق اوی استقرام خلافت عمری کے عشرین رکعات تراویح کا رہند ہونا جیسا کہ معنی
شرح موطا سے بحوالہ بیہی ثابت ہے بادصحیح (انہم یتولون فی عبد عمر العشرین رکعت و فی عبد
عثمان و علی مثله ان ہر سہ خلافت راشدہ میں جم غفیر صحابہ کا اس پر اتفاق کے ساتھ عمل فرمانا واضح
دلالت کرتا ہے کہ اگر حضور سرور کائنات ﷺ فی شفقت علی الامۃ گا و بگا و دوسرا عدد مثلاً آٹھ وغیرہ
کا اختیار فرمایا مگر اصلی سہ نبی کریم ﷺ یہہ اور حضرات خلفاء راشدین و تمامی گروہ صحابہ یون ہی
دیکھتے و سنتے تھے کہ آپ اکثر اوقات تراویح کو عشرین رکعات کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے اسی بنا
پر حضرات صحابہ نے اس عدد بست کو بلا تردد تسلیم فرمایا ورنہ اگر یون کہا جائے کہ سنت آٹھہ رکعتہ

ہیں اور بیس رکعت تراویح پڑھنا بدعت ہے تو خلفائے ثلاثہ اور گروہ صحابہ سبکو بدعتی کہنا لازم آئے گا پس اگر حضرت بدعت اسی کو کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین یا گروہ صحابہ جس پر عمل فرما دین اور زمانہ خلافت یا قرون ثلاثہ میں جو امر پایا جائے اور اوپر زمانہ صحابہ سے آج تک جملہ ائمہ دین و مجتہدین امتہ اور تمامی علماء و فقہاء کا توارث عملی ہو تو حضرت کا ہے کہ بست رکعات تراویح کی بدعت کہتے ہیں کیونکہ تامل اور اپنے بدعتی ہونے سے کیوں انکار جناب نبی کریم ﷺ نے (علیکم سنتی وسنت الخلفاء الراشدين من بعدی) فرما کر سنت خلفاء پر التزام کر نیکی طرف کیسی نیک ہدایت فرمائی اور سنتی اور سنت الخلفاء من بعدی کو ایک علیکم کے تحت میں داخل فرمایا۔ کیسا نیک اشارہ کیا کہ میری سنتہ وسنتہ خلفاء راشدین دونوں ایک ہیں اور ایک طور دونوں پر التزام رکھو۔ عملاً واعتقاداً باہم کچھ فرق نہیں کہ آپکا ان تاکیدات بلیغہ کے ساتھ یوں ارشاد اور ناخلفان امت کا یہ طور کہ سنت الخلفاء کو از جملہ بدعات کجہیں اعاذنا اللہ تعالیٰ وسائر المسلمین من شرور جہلم۔ مولانا توارث عمل امتہ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت ایسا قطعی ہے جیسا فرض ظہر وعصر وعشاء چار رکعت ہونا و فرض مغرب کا تین اور فرض صبح کا دو ایسی دلیل محکم توارث عملی سے ثابت پایا جاتا ہے ورنہ فرمائیے کہ فریضہ کی اعداد تصریح کون سی آیت یا کس حدیث صحیح میں واقع ہے۔ اب بھی اگر حدیث ہی چاہئے تو حدیث صحیح علیکم سنتی وسنت الخلفاء الراشدين من بعدی عضو علیہا بالتواجبہ (جسمین لفظ علیکم وجوب عمل پر دلالت کرتا ہے اور عضو علیہا بالتواجبہ اوس وجوب عمل کی تاکید بلیغ کیا اس بارہ میں دلیل کافی نہیں ہے اور وہ حدیث جسمین عدد بست کی تصریح کی ہے کیا اب بھی بعد ضعف اس دعوے کے لئے جتہ بالغہ نہیں۔ نیز ضعیف ہونا اوس روایت کا جب قاصر ہوتا ہے کہ دوسری روایت قوی موجود ہوتی تراویح کی آٹھ رکعت ہونے پر کوئی روایت ضعیفہ تک موجود نہیں۔ تہجد کی نماز کا آٹھ رکعت ہونا روایت حضرت عائشہ مذکورہ سے البتہ ثابت ہے۔ باین ہمہ روایت بست پر کیا جرح اور کیوں اوسکے مدلول سے انکار۔ اگر فرماؤ امام ابن ہمام نے آٹھ کو سنت لکھ کر زائد کی نسبت یوں تحریر فرمایا ہے وقولہ علیہ الصلوۃ والسلام (علیکم سنتی وسنت الخلفاء الراشدين من بعدی مذنب الے سنتھم) پس

ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک یہہ عدد بست جوزائد علیٰ اثنانیہ ہے مستحب ہے۔

مین کہتا ہوں کہ روایت عائشہ اور ہم توارث عملی گردو صحابہ و خلفا الراشدین و تمامی ائمہ کو عدد عشرین پر حجتہ الدین اور حدیث صحیح علیکم سنی الخ کو اپنے دعوے پر دلیل پیش کریں بلکہ خود اس حدیث کو جسمین عدد بست کی تصریح ہے بجواب اسکے قول ابن ہام کو معارض لا دین مع ہذا قول ابن ہام سے کیونکر مستحب ہونا عدد زائد ثابت کیا اور کس بحر دوسرا و سکو معارض۔ یہہ عدد عشرین قرار دیا۔ حضرت من اگر یوں عبارت ہوتی و انرا ندب و مندوب۔ البتہ آپ کا دعوے ثابت ہوتا۔ ابن ہام سنت الی سنتہم فرماتے ہیں مطلب یہہ ہے کہ ابن ہام نے اس پر نظر فرما کر کہ زمانہ نبوت عدد عشرین پر التزام نہ تھا اور نہ کسی روایت صحیح سے عدد عشرین کا زمانہ نبوت مین ہوتا ثابت روایت صحیح مذکورہ بالا سے جو بروایت حضرت عائشہ نقل ہے آئبہ رکعت پر التزام اکثری ثابت ہوتا ہے پس امام ابن ہام نے زمانہ نبوت و زمانہ خلافت کے فرق مرتبہ کی طرف لحاظ کر کے اول عدد بست کو سنت کہا اور پھر برین خیال کہ شاید اس قول سے دوسرے حضرات عدد عشرین کو سنتہ کا انکار سمجھ لیں حدیث علیکم سنی الی آخرہ کو دلیل لا کر تصریح کر دی کہ یہہ حدیث خلفاء کی سنتہ کی طرف دعوۃ ہے پس سنتہ الخلفاء سنتہ سمجھنا ضرور اور سنت پر عمل کرنا لازم۔ بالجملہ عدد بست کو سنت کہنا نہ زمانہ نبوت ہے نہ یہہ کہ سنتہ الخلفاء کی اصل سنت سے انکار۔ نیز مطلب یہہ ہے کہ باعتبار زمانہ نبوت آٹھ رکعت سنت ہے اور باعتبار زمانہ خلافت بیس۔ بالجملہ ابن ہام کے قول مین لفظ ندب بمعنی نداء و بمعنی دعوۃ بلیغہ ہے نہ بمعنی مستحب۔

معنی یہہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لفظ علیکم سنی الی آخرہ فرما کر اعلیٰ ندا کی طرف دعوۃ بلیغہ فرماتے ہیں کہ سنت خلفاء پر مثل سنی عمل کرنا ضرور ہے قول ابن ہام سے عود زائد علیٰ اثنانیہ کا استحباب سمجھنا وہ حضرات جو الفاظ عربیہ کے ترجمہ پر قدرۃ نہ رکھتے ہوں۔

اس تقریر سے انشاء اللہ تعالیٰ واضح ثابت ہو گیا ہوگا کہ قول ابن ہام سنتہ عشرین عین موافق ہے نہ معارض۔ بندہ نجف بوجہ ضعف مرض لاخندہ جوابک باقی ہے زیادہ لکھنے سے قاصر ہے

اور نیز رجوع الے الکتاب کی قوت نہیں جس قدر لکھا اکثر اوسمین اپنی یاد پر لکھا اگر اس سے زیادہ اس بارے میں تحقیق چاہتے ہوں تو حضرت مولانا علیہ اور حضرت مولانا عبدالحی صاحب سے جو اس بارہ میں تحقیق کیساتھ رسالہ لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۴۸۔ قاع البدعت در بارہ سماع

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں :-

۱۔ عرس کرنا مع مزامیر و روشنی کے اور مع اس امر کے کہ نوید کر کے اجتماع خلایق کہا جائے عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ اکثر لوگ مشہور کرتے ہیں و شاہ عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت خولجہ صاحبؒ کی دعوت کی تھی اور اوس دعوت میں حسب فرمایش حضرت خولجہ صاحب راگ مع مزامیر کرایا تھا۔ یہ روایت صحیح ہے یا نہیں۔

۳۔ حضرات چشتیہ کے نزدیک راگ سننا مع مزامیر کے اور عرس کرنا اور حال و قال کرنا درست ہے یا نہیں۔

۴۔ ایک پیر کے بعد دوسرے پیر کے بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

۵۔ بیعت کر نیکے کے لئے کس قسم کے پیر کی ضرورت ہے۔

۶۔ والدین اگر بوجہ ناقابل ہونے پیر کے اپنی اولاد صغار کو یا اولاد کبار کو بیعت ہوئیے منع فرمائیں باوجود منع کر نیکے بیعت ہو جانا از روئے شرع شریف درست ہے یا نہیں

الجواب

باسمہ تعالیٰ و تقدس عرس کرنا اگرچہ بغیر مزامیر وغیرہ کے ہو جائز نہیں معلوم ہوتا اور

بوجہ تقدیر زمانہ خاص اور ہیئات خاصہ اور رسومات خاصہ کے داخل بدعت معلوم ہوتا ہے۔ ایصال ثواب باعتبار شرع شریف کے علی الاطلاق ثابت ہے کی طرح کی تعینات اور خصوصیات کو ایصال

ثواب میں ہرگز مداخلت نہیں اور ظاہر ہے کہ مقید کرنا مطلق شرعی کا مثل مطلق کر لینے مقصد دینی کے بلا نقاد بدعت ہے۔ مثلاً جیسا کہ صوم و صلوة کو مقید باوقات اور بینات خاصہ اور شرائط خاصہ میں ان قیودات سے خالی اور مبرا کرنا بدعت ہے علیٰ ہذا القیاس جہاد کہ بزبان خیرت نشان جناب ختمی مآب ﷺ علیٰ سبیل الاتفاق خیر و جود میں آتے ہیں ضمیمہ جہاد کرنا اور مامور بہا کچھ ناجیز بدعت ہے دونوں صورت بدعت ہونے میں ہم سنگ یک دیگر ہیں۔ بلکہ بہ نظر غازیوں معلوم ہوتا ہے کہ مقید مطلق بہ نسبت اطلاق مقید بالاولیٰ بدعت ہے۔ مضمون احداث کہ مصداق بدعت ہے جیسا کہ صورت اولین پایا جاتا ہے۔ صورت ثانی میں نہیں پایا جاتا خود معلوم ہے کہ احداث وجود مفعول کو چاہتا ہے نہ کہ عدم اسکے کو اور ظاہر ہے کہ وجود مفعول در صورت تقید مطلق ہوتا ہے اطلاق مقید میں وجود مفعول کہاں ہاں عدم تقید ہی بہ تمثال وجود ہے اسوجہ سے اطلاق مقید کو داخلی بدعت کر سکتے ہیں۔ بالاجملہ عرس کرنا اگرچہ بغیر مزامیر وغیرہ درست نہیں بلکہ منجملہ بدعات ہے اور جناب سرور کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں (مَنْ أَخَذَ فِي أَمْرِ نَاهِ أَمَلِيسَ مِنْهُ نَبْرُودُ) یعنی جو شخص پیدا کرے ہمارے اس دین میں وہ امر کہ داخل دین نہ ہو وہ امر مردود ہے۔ ہرگز لائق اخذ نہیں۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے (كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ) یعنی ہر نئی بات داخل گمراہی ہے اور جو بات داخل گمراہی ہو ٹھکانا اونکا دوزخ ہے یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ میں سے ہیں پس جو امر کہ باعتبار شرع مطلق ہو مقید کرنا اور اسکا ساتھ کسی قید کے مناسب نہیں۔ ایصال ثواب کو جو نیز مطلق شرعی ہے مطلق ہی رکھنا چاہیے۔ خاص کر لینا کسی زمانہ یا کسی قسم کے کھانے کا واسطے ایصال ثواب جیسا کہ اعراس وغیرہ میں ہوتا ہرگز زیانہیں بے شک بدعت ہے چہ جائیکہ مع روشنی اور مزامیر کے کہ یہ صورت تو بالاولیٰ اشد ترین ممنوعات میں سے ہے نہ باعتبار شریعت جائز ہے اور نہ باعتبار طریقت۔ باعتبار شریعت مطہرہ مزامیر تو یکطرفہ جو راگ کہ بدون مزامیر ہو جسکو باعتبار اصطلاح شرع غناء کہتے ہیں سواء عیدین و شادی وغیرہ کے علی الاطلاق وہ بھی جائز نہیں بلکہ داخل ممنوعات ہے چنانچہ یعنی شرح بخاری میں یہ عبارت موجود

ہے (اما الغناء فلا خلاف فی تحریمہ لانہ من اللہو والملعب المذموم بالاتفاق واما یسلم من المحرمات
فیجوز التقلیل منه فی الاعراس والاعباد ویشبہا و مذہب ابو حنیفہ تحریمہ) و بقول اہل العراق و مذاہب
الشافعی کراہتہ ہو المشہور من مذہب المالک یعنی سنار اگ کا بالاتفاق حرام ہے اسلئے کہ وہ منجملہ
لہو و لعب مذموم کے ہے لیکن جو راگ کہ خالی محرمات ہے (یعنی مزامیر وغیرہ) سے ہو اس قسم کا
راگ تھوڑا سا قریب نکاح و عیدین اور مثال ان کے جائز ہے اور امام ابو حنیفہ راگ کو حرام
جانتے ہیں اور ایسا ہی کچھ علماء اہل عراق بھی سمجھتے ہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے
اور مکروہ تحریمی ہونا مشہور ہے امام مالک سے بھی اور نیز صاحب عینی تحریر فرماتے ہیں و قال مشائخنا
بمجرد الغناء والاستماع معصیۃ حتی (قالوا استماع القرآن بالحنان معصیۃ والقاری والسامع آثمین)
واستدلوا علیہ بقولہ تعالیٰ (ومن الناس من یشتري لبوا لحدیث وجاء فی التفسیر المراد بہ الغناء) یعنی کہا
ہے بعض ہمارے مشائخ نے کہ فقط راگ سنا اور سنا مقصد ہے یہاں تک کہ سننا قرآن کا ایسی خوش
آوازی سے کہ بطور راگ ہو نیز معصیہ ہے اور قاری اور سامع دونوں گناہ میں شامل ہیں۔ اور ادون
لوگون نے استدلال کیا ہے آیت شریفہ (ومن الناس من یشتري الے آخرہ سے یعنی بعض آدمی وہ
ہیں کہ مول لیتے ہیں اور باتوں کو جو منجملہ لہو و لعب ہیں۔ اور اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ مراد اس سے
راگ ہے۔ اور جس کسی نے مجرد غنا کو مباح بھی کہا ہے بعد شروط معلومہ کے مباح کہا ہے بدون
ادون شروط کے وہ بھی جائز نہیں کہتے بخلاف راگ مع مزامیر کہ ہو ادوسمین حال و قال بھی کیا جائے
جیسا کہ آجکل مروج ہے اور اسکو منجملہ لوازمات طریقت جانتے ہیں بالخصوص بعضے چشتیہ اس
زمانے کے اسکی نسبت صاحب مجمع البحار ایسا کچھ تحریر فرماتے ہیں (وما حدث التصوف من
السماع بالآلات فلا خلاف فی تحریمہ وقد غلب علی کثیرین من شبہ الے الخیر و عموما عن تحریمہ حتی
طہرت علی کثیر منہم افعال الجانین وزعموا ان تلک الامور من البر و تزینات الاحوال و ہذا زعمہ)
یعنی سماع مع مزامیر کے منجملہ مخترعات بعض اہل تصوف ہے بلا خلاف حرام ہے اور تحقیق غالب کہ
یہہ حال اوپر اکثر ادون لوگون کے کہ سمجھتے ہیں لوگ اسکو اچھا لہذا انہی میں وہ لوگ اسکی حرمت سے

واقف یہاں تک کہ ظاہر ہوتے ہیں اوپر افعال دیوانوں کے سے پس وہناپتے ہیں اور اس ناچنے کو منجملہ نیکی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ سب کفر اور زندہ ہے۔ نیز ترمذی شریف خود رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا (اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فِي الْأُمَةِ مَسْخُوحٌ وَنَذْفٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى ذَالِكَ قَالَ إِذَا ظَهَرَتِ الْمُنْشِيَاتُ وَالْمُعَازِفُ وَشَرِبَ الْخَمْرُ) یعنی رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق اس امت میں سخت یعنی دس جانا اور مسخ یعنی بگاڑ جانے صورت کا اور نذف یعنی برسا پتھروں کا نیز واقع ہوگا ایک مہمان شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کب واقع ہونگے یہ امور آپ نے فرمایا جس وقت گانے والی عورتیں ظاہر ہوں گی اور مزامیر کا رواج ہوگا اور لوگ شراب پینے لگیں گے۔ بعض حدیثوں میں یہ بھی ارشاد ہے کہ ایسے وقت میں عذاب خداوندی اس طرح پے درپے نازل ہوگا جیسے لڑی پرونے کا دھا کہ ٹوٹ جاتا ہے اور اوسکے دانے پے بہ پے گرنے لگتے ہیں اور نیز امام نسائی نے بروایت اوزاعی عمر بن محیی سے روایت کیا ہے۔ قال کتب عمر بن عبد العزیز الی عمر بن ولید کتابا فیہ قسم ابیک لک الخمس کلہ وانما سهم ابیک کسبم اجل من المسلمین و فیہ حق اللہ و حق الرسول و ذی القربی و اللہ تعالیٰ و المساکین و ابن السبیل فما اکثر حواء ابیک یوم القیامۃ فکیف ینجو من کثیر حواء و اظہار المعازف و المزمر امیر بدعتہ فی الاسلام و لقد ہمت ان البعث الیک من ہجر حتی ک حجتہ سوء) یعنی اوزاعی روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے جو بڑے ارشد خلفاء داخل تابعین میں سے ہیں خط لکھا عمر بن ولید کو اوسکے بہت سی باتوں سے عمر بن ولید زبرد تو بخ کی منجملہ یہ بھی کہا کہ تیرے باپ کو خمس حصہ دیا تمہیکو ہرگز جائز نہیں تیرے باپ کا حصہ خمس میں مثل حصہ اور مسلمانوں کے تھا اور خمس بین اللہ کا حق اور اللہ کے رسول کا حق اور ذی القربی اور یتامی اور مساکین اور مسافرین کا یہ سب اوسکے شریک ہیں فقط تیرے باپ کا معرض حق نہیں کہ تمہا تمہیکو دیدینا جائز ہوتا پس خدا جانے کس قدر ہوگا قیامت کے دن جھگڑا کریں گے تیرے باپ سے اور اللہ اعلم کیونکر نجات ہوگی ایسے شخص کی جس نے غصب کیا ہو اور انکے حقوق اور مطالبہ کریں گے اپنے حق کا قیامت میں اور ظاہر کرنا مزامیر و معازف کو جو بدعت ہے اسلام میں اور کچھ اصل نہیں اوسکی باعتبار

شرع۔ اور درمختار میں ہے (من سئل الرقص قالوا یفر ولا یسما بالفتی بلہود و مزامیر) یعنی جو رقص کو جائز جانے والے کو علماء نے کافر لکھا ہے خصوصاً وہ رقص کرنے والا جو دف پر ناچے اور بانسری بجاوے اور شیخ الاسلام کرمانی کا فتویٰ یہ ہے کہ سئل رقص کا فر ہے اسلئے کہ حرمتہ او کی بالاجماع ثابت ہے تو لازم آیا کہ اسکا حلال جاننے والا کافر ہو کذا فی الطحاوی نیز جناب ختمی مآب ارشاد فرماتے ہیں (سیاتی قوم یحکمون الحرام والخیر والمعاذف) یعنی قریب ہے ایسا زمانہ جس میں لوگ زنا کو، ریشمین کپڑوں اور مزامیر کو حلال سمجھیں گے۔

شیطان نے مسیح کی آڑ میں زنا کو حلال کر ڈالا اور بعض امیر زنان خصلت نے لباس ریشمین کو حلال سمجھ لیا اور بعض صوفیان جہال نے راگ و مزامیر و ڈھولک و طنبورہ کو حلال کر ڈالا۔ اللہ انکو اور ہمسکودایت کامل نصیب کرے اور اپنے دین قیم پر قائم کرے آمین۔

بالجملہ جو راگ مع مزامیر کے ہو باعتبار شرع شریف ہم بروے قرآن ہم بروے حدیث ہم بروے اقوال مجتہدین و دیگر اکابرین اللہ بے شبہ حرام ہے اور موجب تمام معصیت ہے جس محفل میں اس قسم کے امور تحریمہ شامل ہیں جیسے محافل اعراس مرد و عائل بدعت حرمت میں او کی کیا کلام۔ غرض جو عرس کہ ان امور تحریمہ سے خالی ہو بوجہ تقلید زمانہ خاص اور ہیات خاصہ کے بدعت ہے ورنہ قطعی حرام۔ اور دیگر بلا قید کسی زمانہ کے اور بلا تقلید کسی بعیت کے اور بلا نوع وغیرہ صرف بطور اتفاق کسی طرح کا ایصال ثواب ہو مضائقہ نہیں بلکہ منجملہ خیرات ہے۔ ارباب طریقت بلکہ حضرات چشتیہ کے نزدیک بھی مزامیر بے شبہ حرام ہیں چنانچہ سلطان الاولیا حضرت خواجہ نظام الدین چشتیؒ کی تصنیفات الفوائد النوادین بصراحت والیضاح اس مضمون کو لکھا ہے عبارت یہ ہے (در میان شغفے بیاید و حکایت جماعتے تقریر کرد کہ ہم اکنون در فلان موضع پاران شما جماعتے کردہ اند و مزامیر در میان بود و خواجہ ذکر اللہ بالخیر این نفی نہ پسندید فرمود کہ من منع کردہ ام کہ مزامیر و محرمات در میان نہ باشند ہر چہ کردہ اند نیکو کردہ اند درین باب بسیار غلوئی فرمود تا غایتے گفت اگر امایے در نماز باشد و جماعتے در عقب او مقتدی دوران جماعت عورات ہم باشند پس اگر امام را سہوے

افتد ازان مردان کہ اقتدا کردہ باشند کیے بہ شیخ اعلام بدہند گوید سبحان اللہ و اگر زمانے بر آن خطا واقع شود و امام را چگونہ بآگاہند سبحان اللہ نہ گوید تا آواز بشنود پس چہ کند دست بردست زند و کف دست سر کف دست زند کہ بہونی مانند ملی پشت دست بر کف دست زند)

الغرض تا ابن غایۃ از ملاعی و امثال آن پر ہنر آمدہ است پس در سماع بطریق اولی کہ ازین باب بناثر لینی در منع و شک چندین احتیاط آمدہ است در منع مزامیر بطریق اولی و بعد ازان فرمود کہ اگر کیے از مقامی اقتدا بارے بہ شرع افتہ مباد اگر از شرع بیرون افتہ پس چہ ماند)

دوسری جگہ پر ملفوظات میں مذکور ہے کیے از حاضرین گفت کہ کیے درین وقت حکم شدہ است کہ مخدوم را ہر وقت باید سماع بشنود اور احلال است خولجہ فرمود چیزے کہ حرام است بجکم کسے حلال نشود چیز کیے حلال است بجکم کسے حرام نہ شود آید لم در مسئلہ مختلف مثلاً ہمین سماع امام شافعیؒ سماع را مباح می داند بادف بخلاف علماء ما اکنون درین اختلاف بر ہر چہ حکم کند همان باشد کیے از حاضرین گفت کہ ہمدین روز ہا بعضے درویشان متانہ وارد مجمعے کہ چنگ در باب مزامیر بود و رقصہا کردہ اند خولجہ صاحب فرمود کہ نیکو کردادند ہمہ تا شروع است و ناپسندیدہ است بعد ازان کیے گفت کہ طائفہ ازان مقام بیرون بایشان گفت کہ شما چہ کردید در ان مجمع مزامیر بود شا چگونہ شنید و رقص کردید ایشان جواب دادند کہ اما چنان متفرق سماع بودہ ایم کہ نادانستہ ایم کہ در آن جا مزامیر است یا نہ خولجہ صاحب چون بشنید فرمود کہ این جواب ہم چیزے نیست۔

نوٹ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت خولجہ صاحبؒ کے ان ملفوظات وارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت خولجہ صاحبؒ نے جن لوگوں نے سماع ناپسند نہیں فرمایا بلکہ حضرت خولجہ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور سماع با مزامیر وہ بھی منع فرماتے ہیں اور جائز نہیں سمجھتے۔ اس فارسی عبارت کا خلاصہ یہ ہے اور خولجہ صاحبؒ کے حوالے سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

نیز روایت مشہورہ اہل بدعت بہ نسبت حضرت شیخ المشائخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ انہوں نے حضرت خولجہ شیخ العلماہ خولجہ معین الدین چشتیؒ کی دعوت کی اور حسب استدعا حضرت

خوارج کے راگ مع مزامیر کے کرایا یہ استدلال سمجھنا بڑی غلطی کی بات ہے اولاً یہ کہ یہ روایت ہی سراسر غلط ہے اور بے اصل۔

بھلا جو امر کے باعتبار شریعت مطہرہ بالکل ناجائز ہو اور اہل فقہ اور اہل حدیث و تفسیر بالاتفاق اوسکو حرام کہتے ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایسے حضرات کا طین التقویٰ خالصان بارگاہ خداوندی مرتکب ایسے امر نامشروع اور ناجائز کے ہوں صاحب اہل طریقت کے نزدیک ادنیٰ ادنیٰ مکروہ شرعی کہ ہم اور آپ اور دیگر عوام کٹا نعام کو کرنا اوسکا کسی نہ کسی درجہ میں جائز بھی ہو چوڑا اوسکا بہت منجملہ ضروریات ہے اور اپنے حق میں وہ لوگ اوسکو حرام ہی جانتے ہیں اور جائز نہیں سمجھتے علیٰ ہذا القیاس ادنیٰ ادنیٰ مستحب شرعی کہ اور وہ کو ترک اوسکا کسی نہ کسی درجہ میں جائز نہیں ہو اور عمل اوسکا ضرور نہیں وہ لوگ عمل اوسکا بھی منجملہ ضروریات جانتے ہیں اور ترک اس کا جائز نہیں سمجھتے اسلئے مقصود اعظم اہل طریقت مقام رضا اور خوشنودی جناب باری عز اسمہ ہے اور وہ تا وقتیکہ ادا کرنے اور مکروہات شرعی کو نہ چوڑا جائے اور ادا کرنے اور مستحب شرعی پر عمل نہ کیا جائے ظاہر ہے کہ پورا پورا اتباع سنت حاصل نہیں ہو سکتا جیٹک کہ جملہ امور پسندیدہ کے ساتھ عمل نہ ہو اور جملہ امور ناپسندیدہ کو ترک نہ کرے پوری رضا خداوندی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے بخلاف ہمارے اور آپ کے کہ فوز اعظم ہمارا اور آپ کا دخول فی الجنت اور نجات عن النار ہے عمل بالمکروہ سے رضا خداوندی البتہ حاصل نہیں ہو سکتی اسبوجہ سے ارباب طریقت یہ کہ مدعیان محبت خداوندی ہوتے ہیں ترک مکروہ اور عمل مستحبات ضرور اور لازمی ہے اور ہمہر اور آپ پر چند ان ضروری نہیں چنانچہ مشہور ہے حسنات الابراہیم المقر بین یعنی جو باتیں کہ عامہ خلقت کے حق میں حسنات ہوں خالصان بارگاہ خداوندی کے حق میں وہ ہی منجملہ سیات ہیں اور ان لوگوں کو وجہ قرب کامل کے خوف و خشیت خداوندی حد سے زیادہ غالب ہوتا ہے نہ مکروہ کر نیکی طاقت نہ مستحب چوڑ نیکی تاب بخلاف ہمارے اور تمہارے کہ درگاہ خداوندی سے کوسوں دور ہیں عظمت خداوندی سے کچھ خبر نہیں بے کہٹ کے کہیں جتلا مکروہات ہو بیٹھتے ہیں اور کہیں تارک مستحبات غرضیکہ جب اہل طریقت

حق نیز کرد و شرعی کا کرنا بھی جائز نہوا لیے ایسے کا ملان طریقت سے ارتکاب اس امر حرام شرعی کا کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہونہو یہ روایت ہی غلط ہے۔ صاحبان طریقت بہ نسبت اہل شریعت زیادہ تر پابند شریعت ہوتے ہیں ہرگز ہرگز نہ وہ ایسا امر شنیع کر سکتے ہیں اور نہ ایسے امر شنیع کی اونے سرزد ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔

کامل الطریقت ہونا اونکا بلکہ داخل طریقت ہونا اونکا خود اول دلیل ہے کہ یہ روایت سرے سے غلط اور بے اصل ہے۔ اہل بدعت نے صرف واسطے دفع طعن کے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے اور ایسے مقدسان طریقت کی نسبت ایک بہتان عظیم باندھا ہے اس قسم کی روایت سے سرو پا قابل التفات نہیں تا وقتیکہ سند قوی اور مستقل سے کوئی روایت ثابت نہ ہو ہرگز کار بند اور کا نہو نا چاہیے اور موضوع اور غلط ہی کج بنا لازم ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ احادیث نبوی اور فقہ اور اصول اور جملہ مسائل دین اور احکام شریعت میں سند کامل کا کیسا کچھ لحاظ ہے تا وقتیکہ سند متصل نہ ہو اور راوی اوکے ثقہ اور عادل اور کسی طرح سے مجروح اور مقدوح نہوں کوئی روایت حدیث وغیرہ کی لائق قبول نہیں فقط اتنی بات کہ یہ حدیث حدیث رسول ہے اور یہ قول قول فقہا ہے کام نہیں چلتا صحت روایت اور تفتیش حال رواۃ بھی ضروری ہے آخرا سی بنا پر محدثین اکثر احادیث کو موضوع اور مجروح قرار دیتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر فقط انتساب حضرت رسالت مآب واسطے اخذ قبول حدیث کا کافی ہوتا اور دریافت حال رواۃ کی کچھ ضرورت نہوتی ساری احادیث خواہ ضعیفہ و موضوع ہوں خواہ غیر ضعیفہ و موضوع ضروری العمل ہو جاتیں بلکہ بہ انجیل و تورات مروجہ یہود و نصاریٰ نیز قابل اجتماع ہوتیں۔

آخر وہ لوگ اوکو کلام خداوندی کر کے تعبیر کرتے ہیں مگر باوجود انتساب توریت و انجیل غالب کلام خداوندی اور باوجود انتساب احادیث موضوعہ بجانب کلام نبوی ﷺ توریت و انجیل کا ہمارے حق میں نہ ہونا اور احادیث موضوعہ متروک العمل کا پڑھنا بجز اسکے کہ بوجہ نقصان سند اور خرابی رواۃ کے نہ توریت نہ انجیل کا کلام خداوندی ہونا ثابت اور نہ اون احادیث کا کلام نبوی اسی

وجہ سے لائق اعتماد و قابل اسناد نہیں۔ عیاذ اللہ

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی کلام کا کلام خداوندی یا کلام نبوی یا کلام نبوی ہونا یقینی اور باین ہمہ اوسکو چوڑ دیا جائے اور متروک اور مردود ٹھہرایا جائے۔ بالاجملہ ہر روایت اور حکایت کے ثبوت کیلئے سند کامل کی ضرورت ہے اور صحت روایت ہونا مجملہ ضروریات ہے در نہ وہ کلام موضوع اور غلط ہے نہ لائق اخذ ہے نہ قابل اعتماد اور ظاہر ہے کہ اسی قسم کی روایات اور حکایات کیلئے سند کامل کی ضرورت ہے اور بے سرو پا حکایت بزرگان دین کی طرف منسوب کرنا کیونکر درست ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں بتلا سکے کہ ہمارے سامنے یہ قصہ پیش آیا یا فلاں شخص شریک جلسہ تھا اور اس کے روایت متصل سلسلہ وار ہے ہم اوسکو روایت کرتے ہیں پس جبکہ راوی اس قسم کے غیر ثقہ و غیر معتبر ہوں ایسی روایت بے شہ غلط محض ہے۔

اور بہتان صریح جہال نے عوام کی واسطے اس قسم کی روایت بے سرو پا گھڑ کر بڑوں کے نام پر لگا دی ہیں تاکہ سیدھے مسلمانوں کو اپنے جیسا بنا لیں اور طعن خلاق سے نجات پادین اعازنا اللہ من شرور ہم علاوہ برین ہم کہتے ہیں در صورت صحیح ہونے اس روایت کے۔ جزا کے ایک فعل اون حضرات اس روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر بالفرض کیا خود ان لوگوں نے کیا دوسروں کو تو نہیں کہا کہ تم ہی کرو اور راگ سنو بلکہ دیکھ لیجئے کہ حضرت نظام الدین اولیاء جو رئیس حضرات چشتیہ ہیں کیا فرماتے ہیں اور دوسروں کو کس طرح سے ممانعت کرتے ہیں اور علہذا القیاس اور لوگوں کے اقوال سے بھی ایسا ہی کچھ معلوم ہوتا ہے بوجہ تنگی مقام کے نقل عبارات سے معذور ہوں۔ غرض کہ بر تقدیر ثبوت اس روایت کے خود سننا اونکا ثابت ہوتا ہے۔ دوسروں کو تو کہنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ قول اونکا منافی فعل ہے اور جبکہ قول اونکا منافی فعل ہے تو قول ہی پر عمل کیا جائے گا نہ کہ فعل پر آخر یہہ ہی تو وجہ ہے کہ اگر حدیث قولی اور فعلی باہم متعارض ہوں اور جمع فیما بین نہ ہو سکے تو حدیث قولی ہی پر عمل کیا جاتا ہے نہ کہ فعلی پر۔ مثلاً حدیث شریف مین ارشاد ہے (لا صلوة بعد العصر حتی تغرب الشمس او کما قال) یعنی بعد نماز عصر تا وقتیکہ غروب شمس نہ ہو نماز بطور ادا کے نہ پڑھنی چاہیے اور نیز حدیثون

میں وارد ہے کہ خود جناب ختمی مآب بعد عصر کے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے فعل رسول ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد عصر کے نماز کا پڑھنا جائز ہے اور قول آپ کا منافی اس فعل کے ہے غرض کہ قول و فعل باہم متعارض ہیں مگر اسی بنا پر کہ ایسے وقت میں عمل بالتقول کیا کرتے ہیں نہ کہ عمل بالفعل۔ فقہا علیہم الرحمہ بالخصوص فقہا حنفیہ کے نزدیک بعد نماز عصر کے اور نماز کا پڑھنا اداء جائز نہیں۔ علیٰ ہذا التیاس ارشاد نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع ازواج چار سے زیادہ کسی مرد کیلئے جائز نہیں حالانکہ خود عقد ازواج مطہرات کا چار سے تجاوز ثابت ہے یہاں پر موافق اسی قاعدہ کے بالاتفاق قول ہی پر عمل کیا گیا ہے نہ کہ فعل پر اور اسکی وجہ یہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ فعل چونکہ متسبب ہوتا ہے فاعل خاص کے اور زمانہ خاص اور مکان خاص کے اسوجہ سے تفسیر فعل من حیث ہو فعل محتمل خصوصیت بھی ہو سکتا ہے۔ کہ وہ فعل بوجہ خصوصیت فاعل باخصوصیت زمان و مکان وقوع میں آیا ہو۔ اور اس فاعل کیلئے یا ہر زمان یا ہر مکان میں کرنا اسکا جائز ہو اسلئے تا وقتیکہ رفع ہونے اس احتمال خصوصیت کے کسی شخص کے حق میں فعل من حیثیت ہو فعل تمسک نہیں ہو سکتا البتہ جس شخص میں اجتماع اون خصوصیات کا ہو اسی کے حق میں وہ فعل ہی جائز ہوگا ورنہ نہیں بخلاف قول کے کہ ہر طرح سے عام ہوتا ہے اگر خطاب عام ہے سبکے حق میں بھی عام و شامل رہے گا حکم جواز ہے جب سب کے لئے اور اگر عدم جواز ہے جب سبکے لئے پس جبکہ۔۔۔۔۔ ثابت ہونے اس روایت کے یہہ فعل اونکا متعارض ہے قول اتباع شریعت مطہرہ ممانعت صریح سماع مزامیر کے ہوا جسوقت میں قاعدہ مذکور حسب مسلم الہدیث و اہل اصول احادیث نبوی میں جاری ہے یعنی بمقابلہ قول رسول اللہ ﷺ کے فعل رسول پر عمل نہیں کیا جاتا یہاں تو بدرجہ اولے جاری ہوگا۔ یعنی یہاں پر بھی قول ہی پر عمل کیا جائے گا نہ کہ فعل پر۔ علاوہ برین بمقابلہ قول کے جبکہ فعل رسول اور لائق عمل نہیں بمقابلہ قول رسول فعل اون لوگوں کا کیونکر قابل عمل ہوگا۔

انشاء اللہ تعالیٰ شرط فہم اسی جواب سے جواب سوال آخر کا بھی معلوم ہو جائے گا یعنی یہہ بات کہ حضرات چشتیہ کے نزدیک مزامیر سننا جائز ہے یا نہیں اور یہہ روایت مشہورہ کیسی ہے

غلط یا صحیح۔ نیز اسی جواب سے معلوم ہو سکتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ پیر ثانی سے بیعت ہو جانا باوجود حیات پر اول کے جائز ہے یا نہیں اگرچہ پیر اول حیات ہو مگر بیعت ہو جانا پیر ثانی سے جائز ہے ہاں اگر میر اول قبیح شریعت ہے اور لائق رشد و ارشاد و تعظیم و تکریم پیر اول کی بدستور باقی رکھنی چاہئے۔

مکتوبات مظہری میں حضرت قطب الوقت عارف باللہ محمد الما علی جناب مرزا جان جانا صاحب شہید علیہ الرحمہ نے بہت طویل تقریر سے بیعت ہو جانا پیر ثانی سے جائز لکھا ہے تنگی مقام کی وجہ سے نقل عبارت سے معذور ہوں جس صاحب کا دل چاہے مکتوبات مظہری میں غالباً صفحہ اٹھائیس میں اسی عبارت کو ملاحظہ کر لیں۔ خلاصہ تقریر جناب مرزا صاحب یہ ہے کہ پیری اور مریدی بمنزلہ کسب علوم ظاہری کی ہے جیسا کہ در صورت حیات استاد اول و استاد ثانی سے استفادہ علوم جائز ہے علی ہذا اگرچہ پیر اول زندہ ہو پیر ثانی سے بیعت ہو جانا بھی جائز ہے اس تمثیل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ پیر اول لائق رشد و ارشاد ہوتا ہم جواز بیعت از پیر ثانی کو کچھ کلام نہیں مثلاً استاد ظاہری اگرچہ لائق استفادہ اور کامل النفس مگر باہم بوجہ عدم موافقت مزاج یا بوجہ کسی خواہش قلبی کے اور استاد سے استفادہ علوم جائز ہے ایسے ہی پیر اول اگرچہ لائق و فائق ہو مگر بوجہ کسی امر آخر کے بیعت ہو جانا پیر ثانی بے شبہ جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جبکہ اس قسم کے پیر کا بعد دوسرے پیر سے بیعت ہو جانا جائز ہے تو جو پیر کہ خود لائق نہ ہو اور اتباع شرع سے کچھ علاقہ نہ رکھتا ہو ایسے پیر سے نقض بیعت کیوں نہ جائز ہوگا بلکہ بنظر غائر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایسے پیر خلاف شریعت اور جوگی وضع سے نقض بیعت جائز ہونا کیا معنی بلکہ منجملہ واجبات ہے۔ اس لئے کہ پیری اور مریدی میں تعظیم منجملہ ضروریات ہے اور جو شخص کہ خلاف شرع ہو اور طریقت کو شریعت سے علیحدہ سمجھتا ہو ایسے شخص فاسق و گنہگار کی تعظیم و تکریم کیونکر جائز ہوگی اور ایسے شخص سے ہدایت کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔ (ادخویش کم است کرار ہیری کند)

ایسے شخص کو پیر ہرگز ہرگز نہ بنانا چاہیے۔ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ اہل طریقت بہ

نسبت اہل شریعت کے زیادہ تر متبع شرع شریف ہوتے ہیں اور بوجہ قرب خداوندی نہ اون لوگوں کو مستحب چھوڑ نیکی طاقت اور نہ مکروہ کرنیکی تاب بالجللہ طریقت کو اتباع شریعت لوازمات ہے۔ بغیر اتباع شریعت کے قرب خداوندی اور وصول الی اللہ ہرگز نہیں حاصل ہو سکتا۔

خود جناب باری ارشاد فرماتے ہیں (ان اولیاء وللاً المتقون) یعنی متقی ہی لوگ دلی اور مقرب الی اللہ ہیں نہ کہ غیر متقی اور دوسری جگہ ارشاد ہے (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) یعنی بلاشبہ زیادہ عظمت و توقیر والا تم میں سے نزدیک اللہ کے وہ شخص ہے جو زیادہ متقی ہو۔ ان آیات بینات سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ قرب خداوندی کہ اصل طریقت ہے بغیر اتباع شریعت مطہرہ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ اصحاب کرام سب سے زیادہ دلی کامل اور داخل الی اللہ ہیں نہ اونے حضرت غوث محبوب سبحانی زیادہ ہیں نہ قطب ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور نیز ظاہر ہے کہ وہ لوگ طریقت کے اصول سے نہ ذکر و شغل کرتے تھے نہ توجہ و مراقبہ نہ وہاں دوسری وسوسہ ضربی نہ جس دوام فقط اتباع شریعت میں کمال حاصل تھا محبت رسول اللہ میں چور ہو رہے تھے آپ کو ہر حال و زار پر جان نثار کرتے تھے نہ زن و فرزند کی فکر تھی نہ دنیا سے کچھ کام آپ کی غلامی سے کام تھا اچھا معلوم ہوتا یا برا جیسا ارشاد ہوتا وہی کرتے تھے غرض اتباع حال و قال رسول سے بحث تھی بس یہہ ہی توجہ ہے کہ امت رسول میں یکتائے روزگار ہوتے اور وحید عصر یا بالجللہ اتباع شریعت محمدیہ کی وجہ سے اون لوگوں کو یہہ قرب کامل حاصل ہوا ہے اگر بدون اتباع شریعت کے اور ہی اعمال سے قرب الہی حاصل ہوا کرتا تو چاہیے تھا کہ جناب باری عز اسمہ (الظلمین مشغال ذرۃ و لیس لظلم للعید) جسکی شان ہے اون ہی لوگوں کو جو خلاف شرع ہوں اور اعمال میں بڑے چست و چالاک اپنا قرب کامل مرحمت فرماتا اور اون ہی کو ولی اور اکرم ہونیکا ارشاد ہوتا نہ کہ اصحاب کرام اور دیگر متقین امت کو غرض بعد اذ نے فکر کے بلا تردد ظاہر ہو سکتا ہے کہ بدون اتباع شریعت قرب خداوندی کہ لب لباب طریقت ہے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بدون اتباع شریعت طریقت بھی ہاتھ نہیں آ سکتی جو شخص کہ خلاف شرع ہو مبتلائے شرک ہو۔ مبتلاء بدعتہ ہونہ وہ پیر

ہے نہ اہل طریقت بلکہ ایمان اسکا نیز محل خطر مؤمن کامل وہی ہے کہ بہ صدق قلب و تسلیم خاطر قائل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہونہ غیر اللہ کو لائق عبادت جانے اور نہ اقوال اعمال غیر رسول اللہ کو کہ مخالف شرع ہو داخل شریعت اور واجب الاطاعت جانے۔ جیسا کہ مشرکین غیر اللہ کو لائق عبادت سمجھتے ہیں کہیں کسی قبر کو سجدہ کرتے ہیں کہیں کسیکو طواف کہیں کسیکو نافع جانتے ہیں اور کہیں کسیکو ضار و علیٰ ہذا القیاس اہل بدعتہ بھی افعال و اقوال غیر رسول کو کہ شرع شریف سے بالکل بے لگاؤ محض ہوں نہ بصر اہل النص ثابت ہوں نہ بدلتہ النص اور نہ بہ اشارہ النص نیز واجب الاطاعت سمجھتے ہیں اور احکام شریعت سے بھی زیادہ التزام اسکا کرتے ہیں کہیں کسی حسب و نسب کے قول و فعل کی سند لاتے ہیں کہیں صرف متعصمات مواد نفسانی کی منہبک بدعات ہو جاتے ہیں اور مبتلا خرافات پابندی رسم و عادت کو عین عبادت جانتے ہیں نہ قرآن سے بحث نہ حدیث سے او سکے مخالف ہو یا موافق اپنے کام سے کام ہوتا ہے تاویلین گھڑ گھڑ کر قرآن و حدیث کو اپنے اقوال و افعال کے موافق کر لیں نہ کہ اپنے افعال و اقوال کو مطابق قرآن و حدیث کے کریں۔ بالاجملہ جیسا کہ شرک مخالف لا الہ الا اللہ بدعت نیز مخالف محمد رسول اللہ ہے جیسا کہ مشرکین بوجہ اس مخالفت کے خارج اسلام ہیں ایمان اور اسلام اہل بدعت کا خالی از خطرہ نہیں۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ اہل شرک کی مخالفت ظاہر ہے کی طرح سے گنجائش تاویل نہیں بخلاف اہل بدعت کے کہ اوکو کافر یقینی نہیں کہہ سکتے اگرچہ سرحد کفر داخل ہوں لیکن دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔ بالاجملہ جو شخص کہ مبتلاء شرک ہو یا بدعتہ ہو مقتدا پیشوا ہونا ہرگز لائق اسکے نہیں کہ اوکو پیر بنایا جائے اور کامل بہ طریقت سمجھا جائے خود ارشاد فرماتے ہیں (قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی بحسبکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور الرحیم) یعنی اے محمد ﷺ کہہ دو ان لوگوں سے اگر دعوے محبت خداوندی ہے تو ہر بات میں اتباع محمدی کرو تا کہ محبوب اصلی خداوند کریم کو تم سے محبت ہو اور سارے گناہ تمہارے بخشدے اور اللہ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر اتباع محمدی نہ مقام محبوبیت خداوندی مل سکتا ہے نہ بشارت مغفرت و ذنوب۔ ظاہر ہے کہ جملہ عالم میں

جناب رسول اللہ ﷺ اصل محبوب خداوندی ہیں اور آپ ہی کی نسبت ارشاد ہے (غفرک ما تقدم من ذنبک وما تأخر) پس جو شخص کہ آپ کے رنگ ڈھنگ پر ہو اور آپ کے حال و حال سے کچھ مناسبت و مشابہت رکھتا ہو اور آپ کے افعال و حرکات سے کچھ نسبت بنکم اسکے کہ مشابہت محبوب نیز محبوب ہوتی ہے اور عنایت و الطاف خاص میں کچھ شریک اویکو مقام محبوبیت مل سکتا ہے اور اویکی مغفرت و نوب ہو سکتی ہے بخلاف اوس شخص کے کہ نہ اقوال و افعال رسول سے کچھ مناسبت رکھتا ہو نہ شریعت محمدیہ سے کچھ لگاؤ ایسا شخص موافق ارشاد آیت شریفہ مذکورہ بالا کے ہرگز کسی طرح مقبول خداوندی نہیں ہو سکتا نہ از جملہ شریعت نہ از حد اہل طریقت غرض ایسے جو گیان زمانہ سے کہ قبیح شریعت نہوں بیعت ہونا ہرگز مناسب نہیں۔ اگر اتفاق سے بیعت ہو گیا تو نقض اوس کا ضروری ہے بالخصوص اوس وقت میں جبکہ والدین ارشاد فرماوین ان کے ارشاد کے بعد امر مستحب یہی واجب ہو جاتا ہے اور امر مکروہ حرام چہ جائیکہ خود ایک ناجائز شخص ہو کہ بعد ارشاد تاکیدات اویکی چوڑ دینا بہت ہی ضروری ہوتا ہے ورنہ علاوہ نافرمانی خداوندی کا حقوق والدین کا وبال اور زیادہ سمجھنا چاہیے۔

اس جواب سے جواب سوالات باقیہ نیز مذکور ہو گئے لہذا جواب مستقل لکھنا فضول۔
باقی یہہ امر بھی معلوم ہو گیا کہ بیعت ہونیکے لئے ایسے پیر کی ضرورت ہے جو قبیح شریعت ہو اور غیر قبیح شریعت سے بیعت ہونا جائز نہیں بلکہ اویکی تعظیم و تکریم کرنا اور پیر بنانا موجب معصیت ہے۔
بالخصوص بعد منع فرمانے والدین کے خواہ اولاد صغار ہو یا اولاد کبار ایسے پیر سے بیعت نہ ہونا چاہیے ورنہ دو گنا لازم آتے ہیں اور علی ہذا القیاس اگر ایسے پیر سے اتفاق سے بیعت ہو گیا ہو بعد ارشاد والدین نقض اوس بیعت کا اور بھی ضروری ہے۔ واللہ علم بالصواب

۴۹۔ دربارہ بیع سلم کھنڈ سال

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شرائط بیع سلم جسکو عرف میں بدنی کہتے ہیں اور آجکل کھنڈ سال والوں مروج ہے یہ بیع جائز ہے یا نہیں اور در صورت فوت ہونے شرط کے شرائط بیع مذکورہ سے کوئی حیلہ جواز بیع کا ہے یا نہیں۔

الجواب

کھنڈ سال والے جو اس کی بیع بطور سلم کرتے ہیں شرعاً یہ عقد سلم جائز نہیں منجملہ جو ان شرائط بیع سلم ایک یہ بھی شرط ہے کہ وقت عقد سے تا وقت حلول اجل و تا وقت اداء سلم فیہ یعنی مبیعہ کا وجود بازار وغیرہ میں پایا جائے ظاہر ہے کہ اس عیشکر کا اس قسم میں سے نہیں ہے۔ رس اپنے عین وقت میں ہوتا ہے نہ قبل از وقت و عقد سلم وقت سے پہلے واقع ہوتی ہے پس یہ عقد سلم کی طرح جائز نہیں فاسد ہے۔

ہاں اگر یہہ مقابلہ صرف بطور وعدہ بیع کیا جائے اور وعدہ ہی کا طور عمل میں آوے البتہ مضائقہ نہیں معلوم رہے کہ وعدہ بیع سے بیع لازم نہیں چونکہ حکم مسئلہ ظاہر تھا اور شرائط سلم صراحۃً کتب فقہ میں موجود ہیں اسلئے نقل عبارات کی ضرورت نہ سمجھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۵۰۔ جواب دربارہ سجدہ تحیہ

حامد و مصلیٰ و مسلما۔ ابابعد بندہ نحیف خادم الطلبة احقر الزمن احمد حسن غفرلہ بخدمت عزیز القدر گرامی منش برادر مملوئی عبدالرحمن صاحب سلمہ خورجی

سلام مسنون و دعاے ترقیات عرض کردہ می نگار دین است نامہ بطلب تحقیق مسئلہ سجدہ تحیہ رسیدہ بود عذر تاخیر جواب نامہ اولین نگاشۃ ام ایڈم گواطمینان کلی میسر م نیست و خلش هنوز باقی مگر زیادہ ازین تاخیر جواب شاید مزید گرانی عزیز باشد ناچار جواب می نویسم ہاں تا مل این قدر دارم کہ مرد این کار نہ باشم استعداد من بمرتبہ رسیدہ کہ باوجود این مشاغل و مذاکرہ شبانہ روزی

بر مسائل ضروری دین ہم عبور نہ دارم بہ تحقیق و تدقیق مسائل دقیقہ چہ رسد و آن بہجو مسائل۔ مگر چونکہ گفتہ اند خاطر عزیزان عزیز است ناچار پیاس خاطر عزیز بہ طفیل کنش برداری حضرات اساتذہ ہر چہ بہ صفحہ خاطر مریختہ اندی نگارم و از فہم سلیم عزیز امید اصلاحش دارم لیکن اسقدر اول عرض کردن ضرور است کہ مدار تکلف حب عقلی است و حب شرعی نہ حب عشقی آنانکہ بحب عشقی و بہ سوداے محبت عشقی از خود رفته اند از مرتبہ تکلف یکسو بودہ مورد امر و نواہی شرعیہ نباشند از اوشان پرسیدن بہ حق اوشان سخن چندان موقع ندارد و ادوات اوشان تابع اوشان است۔ علماء شرعیت را باید کہ اوشان را معذور دارند دیگران را باید کہ افعال اوشان جتہ نگیرند۔ شعر

مذہب عشق از ہمہ این جا جدا است عاشقان را مذہب و ملت جداست

اکنون باصل جواب می پردازم عزیز من دانی کہ مطلق تعظیم و مطلق تذلل را عبادۃ مگویند بلکہ عبادت ان مرتبہ تعظیم و تذلل را نام نہند کہ با مرتبہ خود رسیدہ باشد و مرتبہ از مراتب تعظیم و تذلل فوق آن متصور نشود و چون چنین است لازم افتاد کہ مستحق عبادۃ همان ذات مستجمع صفات و کمالات باشد کہ چند مراتب عز و کمال را فرا گرفته عظمت شان و علو مرتبہ اش تا بغایہ خود رسد و بالائے آن کدائے مرتبہ جلال و عظمت متصور چہ متوہم شود و نیز ظاہر کہ بہجو علو مرتبہ از خصوصات باری است و از متصفیات شان اعلیٰ و ارفع معبود بر حق و ازین جاست کہ غیر اللہ را عبادۃ کردن یا سجدہ عبادت بجا آوردن ہر دو حرام بعینہ گفتند و کفر قرار دادند۔ چون کفرست و حرام بعینہ علیٰ از علل ابا حش نفرمودند و اجازتش ندادند چہ کفر باحتہ را نہ پزیرد حرام بعینہ حلال نہ شود۔ مگر مطلق کہ تعظیم فی الجملہ عبادت از انست و از مرتبہ کمال دعاہیہ فرد تر غیر اللہ را نیز جائز فرمودہ اند۔ لہذا سجدہ را چون مظہر غایہ تذلل قرار دادہ اند و برتبہ عبودیت را عنوان پس نظر بر این سجدہ بغیر نیت عبادۃ باشد و محض بنظر تعظیم و تحیہ تا ہم مستحق ممانعت است گو حرام بعینہ باشد و از مرتبہ کفر ادائیجہ مگر بنظر ہمین عبادت بودن آن حرمتہ را تقاضہ کند و نمی را خواهد لیکن بہجو حرمتہ را حرمتہ لغیرہ گویند نہ حرمتہ بعینہ

بمطل سابعہ از مرتبہ صورتش در گزشتہ و مرتبہ نیت را پیش نہاد خاطر فرمودند چنانکہ می

فرمایند (ان الله لا ينظر الى صوركم واعمالكم ولكن الله ينظر الى قلوبكم ونياتكم) حکم اباحتش دادند و اجازتش فرمودند بلکہ در بعض صور مستحب فرمودند بامراستجابی۔

اما آخر الامر نفی اینائے وقت و کجی طبائع اوشان چون نوبت در شرک رسید از ہمین سجدہ تحیہ طرح شرک انداختند پس در شریعتہ استحباب آن منسوخ شدہ حکم بحرام بودن قرار یافت شارع صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہ وسلم نقرع بحر متش فرمودہ بحرام بودن آن اجماع امتہ فرق این قدر کہ علماء شریعت بالاتفاق از اصل اباحت منسوخ شمردند و بحق ہر واحد عام باشد یا خاص حکم بحر متش دادند۔ و علماء طریقت کہ علم حضرات اوشان ہم مؤید بہ نور کشف است اکثر با علماء شریعت اتفاق کردند و شاید بعض حضرات اوشان استحبابش منسوخ داشتند و اصل اباحتش را باقی نظر حضرات اوشان غالب بر ہمین افتاد کہ گاہے امر مستحب را کہ منسوخ می فرمایند استحبابش را نسخ می فرمایند و اصل اباحت را باقی میدارند چنانکہ روز ہائے بیض دیوم عاشورہ کہ در سابق فرض بود چون منسوخ شد فرضیت برخاست استحباب باقی ماند۔ ہم چنین اینجا استحبابش برخاست نہ اصل اباحت۔

باقی علماء شریعت کہ سجدہ تحسینہ را ارسا حرام می فرمایند گفتہ کہ خوفًا عن العوام و انتظاما لامر الدین و سد الباب شرک و الکفر حرام فرمودند نہ این است کہ اصل اباحت برخاست و این گفتن گو کلیہ درست نیست مگر احتمال صحیح است و گنجائش بر خود دارد۔

و اہل اصول متفق اند کہ نفی مقید بہ دو طور شدن تواند یکے آنکہ مطلق و قید ہر دو جزء مقید رفع کند سلسلہ کند۔ دیگر آنکہ قید نفی شود و جزء ثانی کہ مطلق است بحال خود ماند پس استحباب کہ اباحت مقید را نام است نفی آن کہ عبارت از نسخ است ہم بدو طور میتواند شد گاہے قید و مطلق ہر دو را نسخ کند و نفی نماید و گاہے قید۔ یعنی مرتبہ استحباب را نفی نمایند و نسخ کنند و اصل اباحت باقی دارند۔ غرض نظر بر این احتمال صحیح کہ ہم مؤید عقل است۔ غالب کہ بعضی از علماء طریقت باین رفتہ و محتمل کہ اصل اباحت باقی شمردند و قول علماء شریعت را شاید یعنی بر انتظام شمرده مخالف یا مذموم خود دیدند و نفی شرع را یا سببی سجدہ عبادت محمول نمودند یا محمول بر زجر عوام امتہ۔

باجملہ احادیث نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم وقول علماء ومجتہدین ہم علی الراس والعین بناوند وسد الباب الکفر والشک سجدہ تحسینہ را حرام می گفتند ونظر بر ہمین مصلحت حقہ دینہ احدے را اجازت نمی دادند بلکہ می فرمایند۔ وچون مزعوم خود را فی الجملہ مؤید عقل ونقل دیدند و آن چنان حجتہ قطعیه کہ برین وجہ اصل اباحت نص قطع باشد محل دیگر ندارد نہ یافتہ باز عم خود اعتماد کرده تاویل احادیث و تاویل ظاہر اقوال علماء ومجتہدین ذمہ خود کردند۔ تاہم با علماء شریعت اتفاق کردہ متابعت ارشادات اوشان لازم شمرده ادب شریعت را حفاظت فرمودند از بیجا ست کہ خود حضرت سلطان الاولیاء والشیخؒ می فرمایند ہر چند میخواہم کہ مردم را منع کنم اما بحکم بقاء اباحت اصلیه چنانکہ مزعوم اوشان گفتم بشرط عدم خوف فتنہ وعدم داہمہ تحصیل عوام امتہ شاید بحق خواص این سجدہ تحسینہ جائز میدانستند وخاص بحق آن خواص کہ بہ بحر تو حید غرق ومستغرق شوند و از مرتبہ فنا فی اللہ کم حال صادق دارند و مورد ذات حقہ باشند پیر و استاذ را مظہر تجلیات ربانی بیند کہ فرق ظاہر و مظہر کردن نتوان نظر اوشان ہمان تجلیات تامہ باشند کہ ظاہر را بیند نہ مظہر را پس ہچو حالت استغراق اگر حال سجدہ تحسینہ کند مورد ملامت باشند نہ موافق فہم اوشان مرکب امر مکر۔

و موافق صاحب کتاب القبلہ کہ عبارتش ہم عزیز نقل کردہ اند این فقط فہم حضرات اوشان است بلکہ بعض از علماء واحادے چند فقہا ہم باین سورفتہ اند کہ قول اوشان نامعتبر است و روایات این شان نامسوع۔

باجملہ بزرگم خیف چونکہ بناء قول ایشان ہچو تاویلات است حضرات اوشان معذور اند غایہ آنکہ خطا کردند براہ خطا اجتہادی رخنہ۔ الحاصل بحق ہچو مقبولان امتہ و اساطین دین کہ بر مقبولیہ اوشان خود امتہ اتفاق کردہ اند ہمیں کہ شرط ثبوت واقعی ہچو اقوال اوشان را از ملامت پاک اعتقاد دارند قیاس قول علماء شریعت وقول اوشان جمع کند و پالی ذاتہ را بر عوام امتہ قیاس نکند۔ مولاناؒ می فرمایند۔ کار پاکان را قیاس از خود مکیر۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مدار تکلف شرعی محبت عقلی اور محبت شرعی ہے نہ محبت عشقی اسلئے بسا اوقات محبت عشق اگر اپنی پوری قوت اور پورے جذبہ کے ساتھ ہو انسان اپنے قابو سے باہر ہو جاتا ہے اگر یہہ تعلق خدا سے ہو اور وہ فنا فی اللہ ہو یہاں تک کہ اسکو اپنے وجود کی بھی خبر نہیں رہی چہ جائیکہ وہ امر و نواہی پر کما حقہ عمل کرے۔ اس درجہ میں آ کر یہہ لوگ مستعین ہو جاتے ہیں اور عوام کو انکی تھلید یا انکی حالت سے استدلال درست نہ ہوگا۔

مطلق تعظیم مطلق تذلل کا نام عبادۃ نہیں ہے ورنہ امراء اور سلاطین کا ادب اور انکی تعظیم و تکریم بھی عبادۃ ہو جائیگی حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ عبادت غایت تذلل اور غایت تعظیم کا نام ہے اتنی تذلل اور اتنی تعظیم کہ اس سے زیادہ اوپر کوئی درجہ بندی یعنی انتہائی تذلل اور انتہائی تعظیم اور یہہ اسوقت ہو سکتی ہے جب کہ ہمارے سامنے ایسی ذات ہو کہ اسمین تمام کمالات بطور اتم و اکمل موجود ہوں اور تمام نقائص سے وہ ذات ہمہ تن بری ہو ایسی ذات باری تعالیٰ کے سوا کون ہو سکتی ہے اسلئے سجدہ تعظیم یا تحسینہ اسی ذات اقدس کیلئے زیبا ہے جو تمام نقائص سے بری اور تمام ہی کمالات سے متصف ہے اور وہ حقیقت میں معبود الیہ کی لائق ہے۔ اسی وجہ سے علماء شریعت نے اسکو حرام فرمایا ہے اور تمام علماء امت کا اس پر اتفاق ہے حرام کبھی حلال نہیں ہو سکتا اور نہ کفر باحت کو قبول کرتا ہے۔ بالخصوص اس زمانہ پر فتن اور دہریت میں جبکہ عوام مسلمین مذہب سے کوسوں دور ہوں ضروری ہو جاتا ہے کہ سجدہ تعظیم سے شدت کے ساتھ روکا جائے۔ کسی بزرگ کو حیات یا بعد الہیات یا کسی شیخ کو سجدہ تعظیم درست نہیں ہے یہہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اور اسی ذات اقدس کو یہہ سجدہ تعظیم دینا ہے یہہ کہنا اور یہہ تاویل کرنا کہ ہم سجدہ عبادت نہیں کرتے سجدہ تعظیم کرتے ہیں یہہ تاویل درست نہیں اسقدر تذلل اور اسقدر تعظیم اسی ذات اقدس کو زیبا ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے اور ہم سب اور وہ بزرگ سب اس کے محتاج ہیں اور جو کمال ان حضرات میں

موجود ہے وہ بھی اسی ذات اقدس لاشریک کہ کا دیا ہوا ہے پھر سجدہ کرنا کوئی مطلب نہیں رکھتا یقیناً سد ابواب الکفر والشک ایسے سجدہ سے بھی ممانعت ضروری ہے۔

اگر کوئی بزرگ جو فانی اللہ میں گم اور مستغرق تجلیات ربانی ہو اور کیفیت کا استقدر غلبہ ہو کہ ظاہر اور مظہر میں بھی فرق نہ کر سکیں وہ ان حالات خاصہ میں اگر کسیکو سجدہ کر لیں تو وہ معذور ہو گئے ہمارے لئے اونکا یہ عمل قابل تقلید اور نہ یہ فعل باعث حجت ان کے نزدیک اسوقت بھی مسکود الیہ حقیقتاً خدا ہی ہے نہ کوئی اور۔

بہر حال سجدہ تعظیم جسکا دوسرا نام سجدہ عبادت ہے حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی ہیں سوائے خدا کے کسیکو جائز نہیں ہے۔ شارع علیہ السلام نے سجدہ عبادت کو صراحۃً حرام فرمایا ہے اتنی ہیئت کذائی جیسی سجدہ اور رکوع میں ہوتی ہے کسی کے لئے بھی درست نہیں چہ جائیکہ سجدہ اور استقدر غایت تذلل اور غایت تعظیم جیسی کہ سجدہ اور رکوع سے واضح ہوتی ہے اسکا اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہے نہ کوئی اور البتہ کسی مکرم کے آنے پر بیٹھے سے صرف کھڑا ہو جانا جس کو نحوض کہتے ہیں درست ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو عورت کو اپنے شوہر کو سجدہ کرنیکی اجازت دیجاتی مگر چونکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں اسلئے عورت کو بھی سجدہ کی اجازت نہیں ہے۔

غور فرمائیں کہ عورت کو سجدہ کی اجازت اگر ہوتی تو یہ ہی سجدہ تعظیم کی اجازت ہوتی کیونکہ سجدہ عبادۃً تو کسی حالت میں کیسکے لئے جائز ہی نہیں آپ فیصلہ فرمائیں کہ عورت کو حضور سجدہ تعظیم سے منع فرما رہے ہیں تو اب ہمارے لئے سجدہ تعظیم کی کہاں گنجائش باقی رہتی ہے۔

یہہ استفسار مولوی عبدالرحمن خورجوی نے کیا تھا۔ اس میں انہوں نے مولانا احمد حسن کو جامع معقول و منقول اور فخر زین کہا ہے۔

مولوی عبدالرحمن خان خورجوی مولانا سید احمد حسن سے بیعت تھے اور ان کے حلقہء

ارادت میں شامل تھے۔ انہوں نے یہہ استفسار خورجہ ضلع بلند شہر یو پی سے ۲۰ ربیع الاول ۱۳۱۵ کو فارسی میں ارسال کیا تھا جو سجدہ تہیہ یا سجدہ تعظیمی کے بارے میں ہے۔ اس کے جواب میں سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث نے لکھا۔ برادر گرامی قدر مولوی عبدالرحمن خان سلمہ اللہ تعالیٰ آپ کا خط سجدہ تہیہ کی تحقیق کے بارے میں ملا۔ مولانا نے بھی اس کا جواب فارسی میں دیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ اردو ترجمہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

عزیز گرامی آپ یہہ سمجھ لیجئے کہ مطلق تعظیم اور مطلق تذلل کو عبادت نہیں کہتے۔ تعظیم و تذلل کا مستحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو مجمع الصفات ہے اور سجدہ اسی کے لئے زیب دیتا ہے۔ وہ معبود برحق ہے اس لئے غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے اور کفر ہے۔ چونکہ کفر ہے، حرام ہے اس لئے اباحت نہیں اور اس کی اجازت نہیں ہے۔ سجدہ تعظیم کی ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوْرَکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی تَلٰوِکُمْ دُنِیَاکُمْ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو ٹٹولتا ہے اور تمہاری نیت کو دیکھتا ہے۔ غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی سے شرک کا اندیشہ ہے اس وجہ سے اس کو جائز قرار نہ دیا۔

ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی منسوخ ہے۔ یہاں تک کہ شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ سجدہ تعظیمی کی حرمت پر ہی اجماع ہے علماء نے اس کی اباحت کو منسوخ کر دیا ہے اور ہر خاص و عام کو حرمت کا حکم دیا ہے۔ اہل طریقت نے بھی علماء سے اتفاق کیا ہے اور اس کو منسوخ گردانا ہے۔ جب اباحت منسوخ ہو گئی تو اب سجدہ تعظیمی حرام ہے۔ جیسا کہ امم سابقہ میں یوم عاشور کا روزہ فرض تھا لیکن اب وہ ختم ہو گیا۔ سجدہ تعظیمی کو شرک کے خوف سے حرام قرار دیا گیا اور یہی صحیح ہے۔ کسی نے اس کی اجازت نہیں دی۔ خود حضرت سلطان الاولیاء نے اس سے منع کیا۔ یہہ امر منکر ہے۔ جو لوگ جائز سمجھتے ہیں وہ خطا پر ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ سجدہ تعظیمی سے احتراز کیا جائے۔

احمد حسن غفرلہ

ملک غیر میں بغیر اذن تصرف کرنا ناجائز ہے اس اعتبار سے اوسکو اپنے تصرف میں لانا درست نہیں ہے ہاں اگر وہ لوگ اپنے حقوق ملکیت سے ہر طرح دست بردار ہو گئے ہیں تو بحکم (اسلطان ولی لمن لا ولی له) اور بحکم استیلاء کفار سلطان وقت اوسکا مالک ہوگا اور بعد اذن سلطان یا نائب سلطان بعد اباحت سلطان فی حق الكل خود تصرف میں لانا اوسکا درست ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۵۳۔ مطلب حدیث بخاری شریف آذر

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال یلتقی ابراہیم اباء آذر یوم القیمہ وعلی وجہ آذر قترہ وغمرۃ فیتول لہ ابراہیم الم اقل لک لا تعصی فیتول ابوہ الیوم لا اعصیک فیتول ابراہیم یارب اک وعتی ان لا تحرنی یوم۔ بیٹوں فای جزى اخوی من ابی الا بعد فیتول اللہ انی حرمت الجنت علی الکافرین ثم یتال یا ابراہیم ماتحت رجلیک فی نظر ماذا ہو بدت متلع فیؤخذ بقوائمه فیلتقی فی النار۔ ترجمہ:

حضرت ابراہیم اپنے باپ آذر سے قیامت کے دن ملیں گے اس حالت میں کہ آذر کے چہرہ پر سیاهی اور گرد و غبار ہوگا حضرت ابراہیم آذر سے کہیں گے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی مت کرو انکا باپ کہے گا کہ ہاں میں تمہاری نافرمانی نہیں کرونگا حضرت ابراہیم کہیں گے کہ اے باپ آپ نے مجھے وعدہ کیا تھا کہ مجھکو قیامت میں رسوا نہ کریں گے میرے لئے اس رائدہ درگاہ باپ سے زیادہ اور کوئی قیامت ہوگی۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے پھر فرمائیں گے کہ تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک بچہ کو گندگی میں لتھڑا ہوا دیکھیں گے (یعنی آذر کو بشکل بچہ دیکھیں گے حضرت ابراہیم کو نفرت ہو جائیگی) پھر آذر کو جو بصورت بچہ ہو گئے تھے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس حدیث سے اور آیت (فلما تمئین لہ اَنَّهُ عَذُوبُ اللہ تِمرَءُ مَنہ) میں تعارض ہے اور نیز

آیت لا یحکمون الا من اذن له الرحمن اور آیت من الذی یشفع عنده لا یاذنہ میں حدیث اور آیت اول میں اس طرح تعارض ہے کہ حدیث سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آذر کے واسطے سفارش کرنا ثابت ہوتا ہے اور بوجہ تہری دنیا میں عداوة اللہ واقع ہوئی تھی پھر آخرت میں آذر کو کوئی محبت ہو گئی تھی جو اس کی محبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ایسی سمائی کہ استخراج سفارش بلا اذن فرمانے لگے اور حدیث اور آیت ثانیہ میں اس طرح تعارض ہے کہ بدون ارشاد خداوندی کوئی شخص کسی سفارش نہیں کر سکتا اور حدیث سے سفارش بلا اذن من عند نفسہ کرنی معلوم ہوتی ہے۔ انہ عدولک۔ معنی عدولک کے یہہ ہیں کہ خدا کو اس سے عداوت ہے مگر قیامتہ کو آذر کی عداوت مبدل بہ محبت ہو جاوے گی اور کیونکہ خدا کی محبت سب کے دل میں ہے دنیا کی خسبین او سکود بالیتی ہیں پھر قیامتہ کو بہ حکم کل نسب وجہہ یقطع یوم القیامتہ الخ اور آیت یوم یفر المرء من اخیه وامہ وابیہ الخ دل لبریز محبت خدا سے اس طرح زائل ہو جائیں گے جیسے راکھ آگ پر سے اتر جاتی ہے یہہ ہی وجہہ ہے کہ روز قیامتہ کفار کے حق میں یوم الحزن کہلایا۔ حسرت بے محبت متصور نہیں اور محبت طبعی قابل زوال نہیں اپنی محبت طبعی ہے اور خالق کی محبت اس سے مقدم کیونکہ خالق مکملہ موجود صرف یا وجود محض ہیں ورنہ واجب ہوتے اور نہ معدوم محض ہیں ورنہ متمنع اور محال ہوتے مثل خطوط فاصلہ بین النور والظلمۃ۔ وحدود فاصل کی حقیقت ایک امراضانی ہے یعنی انتہائی نور مثلاً او سکوکتے ہیں اور اس سے زیادہ اس کی تعریف ممکن نہیں ایسے خالق مکملہ امور اضافتہ یعنی منہجائے وجود صرف ہو گئے اسلئے اونکا تعقل اس ذی منہجائے تعقل پر موقوف ہوگا اور کیونکہ نہ ہونٹھئی کا تصور بغیر تصور ذی منٹھئی تصور نہیں اس سے زیادہ اور کیا چیز اس کے اضافی ہونے پر دلالت کرے گی مگر یہ ہے تو ممکنات کا تعقل اس ذی منٹھئی کے تعقل پر موقوف ہوگا اسلئے اپنی محبت بھی ذی منہجائے محبت پر موقوف ہوگی اور چونکہ ذی انتہا وجود صرف ہے اور او سکود ذات خداوندی سے ایسی نسبت جیسے شعاع کو آفتاب کے ساتھ اور جیسے شعاعیں بہ نسبت آفتاب اضافی ہیں۔ کیونکہ اونکی حقیقت اس سے زیادہ اور کیا بیان میں آسکتی ہیں کہ وہ ایک پر تو آفتاب ہے ایسے ہی وجود موصوف بھی بہ نسبت ذات خداوندی کے

ایک امراضانی ہوگا اور اسی وجہ سے تعلق اور کا محقق ذات خداوندی کے تحقق پر موقوف ہوگا اور اس کی محبت ذات خداوندی کی محبت پر موقوف ہوگی اور کیونکہ نہ اپنی محبت اسی وجہ سے ہے کہ اپنا تحقق اپنے ہی ساتھ ہے (اور یہ بات اس موقوف علیہ میں بدرجہا والے ہے) یہ دلیل عقلی تھی نفی توجیہ یہ ہے خدا کا ارشاد ہے (ان اللہ لا یحب الکافرین) موقع ترش ردی محبوب میں واقع ہے اور اس کا صدمہ اویکو ہو سکتا ہے جسکے دل میں خدا کی محبت ہو کیونکہ ترش ردی محبوب سے محبت ہی کا دل تڑپ سکتا ہے اور کافرون کو اس کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ محبت نہیں تو ہماری بلا سے اس صورت میں آذر بروز قیامتہ مصداق عدو اللہ نہ ہوگا بلکہ محبت اللہ ہو جاویگا اور علت تیری زائل ہو جاویگی آخر کون نہیں جانتا کہ محبت خداوندی فی حد ذاتہ ایک عمدہ بات ہے اور محبت خداوندی بہر طور لائق مراعات باقی عتاب خداوندی مانع محبت مذکورہ نہیں بلکہ یہ عتاب خود اس محبت پر مبنی ہے البتہ متقصائے محبت یہہ تھا کہ محبوب کی اس کے حال پر نظر عنایت ہوتی مگر اسکی یہہ ہی شرط ہے کہ رضا جوئی بھی ہو ورنہ وہ محبت زیادہ تر، سرمائے عتاب ہوتی ہے مگر جیسے یہہ مخالفت رضا موجب عتاب ہو جاتی ہے ایسے ہی وہ محبت اکثر باعث سفارش ہو جاتی ہے بالجملہ یہہ سب کارخانہ یعنی عتاب و عنایت و سفارش متقصیات طبیعت میں سے ہوتا ہے۔ اسکی مخالفت بالارادہ کجائی ہے یہہ ہی وجہ ہے کہ اہل دل اس وقت سفارش سے باز رہتے ہیں کہ اوپر سے ممانعت ہو جائے یہہ ہی وجہ ہوئی کہ کفار کی شفاعت نہ کی جائے گی یہہ نہیں کہ اوکی شفاعت ہو نہیں سکتی یعنی محال ہے بالجملہ مراعات محبت خداوندی امر طبعی ہے پھر کافر ہو تو بوجہ ممانعت خداوندی شفاعت کی گنجائش نہیں مگر مراعات کچھ شفاعت ہی پر منحصر نہیں یہہ مراعات حضرت ابراہیم علیہ السلام غور سے دیکھئے تو از قسم شفاعت نہیں بلکہ از قبیلہ طلب حق ہے یعنی آذر کی کیفیت معلومہ کو اپنی رسوائی تکمیل یہہ عرض کیا کہ مجھے یہہ وعدہ تھا کہ روز قیامتہ تجھکو رسوا کریں گے شفاعت ہوتی تو وعدہ کے جتانے کی حاجت نہ ہوتی وعدہ کا جتنا خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے حق کے طالب ہیں کیونکہ وعدہ سے ایک قسم کا حق وعدہ کرنے والے پر ثابت ہو جاتا ہے یہہ ہی وجہ ہے کہ ایٹائے

وعدہ ضرور ہے اور ظاہر کہ شفاعت میں اپنے حق پر نظر نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے قبول نہ کرنے سے وہ شخص جس سے سفارش اور شفاعت کیجائے وہ لائق عتاب و ملامت نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بالصواب

وضاحت

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمان ہو یا کافر ہر شخص کے دل میں محبت خداوندی ہے قیامت کا دن کفار کے حق میں یوم الحسرت ہو گا حسرت بغیر محبت اور تعلق کے نہیں ہو سکتی البتہ دنیا کی محبت اور دنیا کے تعلقات اور امور دنیا میں انتہا تک اس محبت خداوندی پر غالب آ جاتے ہیں۔ خالق اور مخلوق تعلق کو سب ہی جانتے ہیں کون اس تعلق کو منقطع کر سکتا ہے اس وجہ سے کفار بھی اللہ کو خالق مانتے ہیں اور یہ بات عقلی ہے کہ مخلوق کا تعلق خالق سے ہوتا ہے دوسرے الفاظ میں اس تعلق کو محبت خداوندی بھی کہہ سکتے ہیں اب آذر کے دل میں اس لحاظ سے محبت خداوندی ہو گی مگر یہ شبہ کہ جب اس کے دل میں محبت خداوندی ہے تو پھر خداوند کریم کے الطاف و کرم کا وہ مستحق ہو گیا پھر ناراضی اور خفگی اور عتاب کیسا۔

محبت خداوندی جب ہی کار آمد اور مفید ہو سکتی ہے کہ رضا الہی بھی اس کے ساتھ موجود ہو اور چونکہ کفر اور شرک ایسے عظیم گناہ ہیں اور خدا کی رضا کے خلاف ایسے سخت بڑے گناہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دائمی ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور عتاب اور غصہ منافی محبت کے نہیں ہے باپ اولاد پر ناراض ہوتا ہے بعض وقت سزا بھی دیتا ہے اور یہ سب جائز اور بر بناء محبت ہے نہ عداوت اس لئے آذر سے ناراضگی اور خفگی بر بناء اس محبت کے ہے اور چونکہ کفر اور شرک اللہ تعالیٰ کے انتہائی غصہ کا کام ہے اس لئے بر بناء اس گناہ عظیم کے وہ بخشش کے مستحق نہیں ہونگے نہ بر بناء اصل محبت جو اس وقت کا عدم ہے۔

حضرت ابراہیم نے سفارش کی درخواست نہیں کی بلکہ اس وعدہ کو اللہ تعالیٰ کو یاد

دلایا جو اللہ نے انے کیا تھا کہ روز قیامتہ رسوا کروں گا لیکن حضرت ابراہیم نے جب اپنے باپ آذر کو بچہ کی شکل میں اپنے پیرو کے نیچے دیکھا تو وہ خود متنفر ہو گئے اب وعدہ کے ایفاء کی درخواست سے بھی وہ خود رک گئے کہ ایفاء وعدہ کی کس کے لئے درخواست کریں یہاں نہ آذر ہے اور نہ کوئی اور انسان بلکہ وہ آذر بصورت بچہ پایا گیا اب ایفاء وعدہ کی گنجائش ہی کہاں باقی رہی۔

۵۴۔ دربارہ بسم اللہ شریف

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بسم اللہ شریف قرآن کا جزء ہے یا نہیں اور اگر جزء ہے تو کیا بسم اللہ شریف ہر سورۃ کا جزء ہے اختلاف ائمہ میں راجح قول کیا ہے واضح دلائل نقلیہ و عبارات مدلل بیان فرمائیں بعض کا خیال ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزء نہیں ہے اس شبہ کو رفع فرماتے ہوئے جواب مرحمت فرمایا جائے۔ قاضی ظہور الحسن سیوہاروی

الجواب حامداً ومصلياً و مسلماً

مخدومی۔ سلام سنوں۔ آپ نے جواب کیلئے مجھے مخاطب فرمایا ہے اس عزت افزائی کا شکریہ لیکن یہ کام علماء اور اہل حضرات کا ہے جو استفتاء کا کام کرتے ہیں۔ میں طالب علم جسکو نہ علمی لیاقت اور نہ مسائل پر عبور آپ کی کیا تسلی کر سکتا ہے تاہم فہم ناقص میں جو آتا ہے عرض کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کیلئے تقفی کا باعث ہو۔ وہو ہذا

محترم بسم اللہ ضرور قرآن پاک کا جزء ہے اور نہ اسمین کسی کا اختلاف ہے بلکہ اختلاف صرف ان دو صورتوں میں ہے اول یہ کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزء ہے اور نیز ہر سورۃ کا جزء ہے اور یہہ ہی مذہب امام شافعی علیہ الرحمہ کا ہے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک بسم اللہ نہ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ کسی اور سورۃ کا۔ عبارت ذیل سے یہہ مفہوم واضح ہے۔ (سُحُی سُرَانِی کُل رَکْعَۃ وَہِی آیت من القرآن انزلت للفصل بین السور لیس من الفاتحہ ولا من کل سورۃ۔ وقال الشافعی ہی آیت من الفاتحہ ومن کل سورۃ) (فتح العین جزء اول) اس عبارت کے بعد شافعی فاتحہ اور ہر سورۃ کے ابتدا میں

بسم اللہ پڑھیں گے کہ وہ دونوں کا جزء مانتے ہیں اور امام ابو حنیفہ امام اعظم کے نزدیک چونکہ وہ نہ فاتحہ کا جزء اور نہ سورۃ کا اسلئے وہ جزء خیال کر کے نہ پڑھیں گے مگر چونکہ اجماع صحابہ اس پر ہے اور خود حضور ﷺ کا بھی یہ فعل رہا ہے کہ ہر رکعت کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھی جائے فاتحہ سے قبل اور مابین فاتحہ و سورۃ نہ پڑھی جائے۔

چونکہ امام اعظم کے نزدیک بسم اللہ نہ فاتحہ کا جزء اور نہ سورۃ کا اسلئے بسم اللہ کو جہری اور سری نمازوں سر آئی پڑھیں گے جیسا کہ کسی سر آئی رکعت سے واضح ہے نیز حدیث عن انس صلیت خلف النبی والی بکر وعمر و عثمان فلم یسمع احدا منهم یقرأ بسم اللہ فکانوا الاستبحر ون بسم اللہ رواہ احمد والتسائی بانسنادہ علی شرط الصیحۃ۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر رکعت کے ابتداء میں فاتحہ سے قبل بسم اللہ کو پڑھنا مسنون ہے گو بعض کا یہ بھی مسلک ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزء نہیں ہے لیکن عبارت محولہ بالا سے واضح کہ بسم اللہ قرآن کا جزء ہے اور یہ ہی مذہب اصح ہے۔

ووجہ الاصح اجماعہم علی کتابہما مع الامرتجیر الصحف وقد توارث فیہ وہودلیل تو اتر کو نہا قرآن وبہ اندفعت البیۃ للاختلاف۔ والدلیل علی انہا لیست من النافتحۃ الحدیث اذا قال العبد الحمد للہ یتول اللہ حمدنی عبدی الی اخرہم الحمد یتلو کانت بسم اللہ منھا لیلۃ بھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء ہوتی تو الحمد للہ کے ساتھ بسم اللہ سے بندہ ابتدا کرتا حالانکہ بندہ الحمد للہ سے ابتداء کر رہا ہے اور خداوند کریم جواب میں حمدنی فرما رہے ہیں۔ واضح ثابت ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے البتہ چونکہ بسم اللہ قرآن پاک کا جزء ہے اسلئے ختم القرآن پاک کا وقت کسی مقام پر ایک مرتبہ بسم اللہ شریف کو پڑھ لینا چاہیے۔ زمانہ نبوت سے لیکر آج تک یہ ہی معمول رہا ہے ہذا حوالہ مقتصد و حررہ خادم ملت الجواب صحیح شیخ الشفیر الحدیث (عبدالرحمن کان اللہ و مولانا سید رضا حسن مدرس

نوٹ: حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صدر مدرس اسلامیہ جامع مسجد امر وہہ (مولانا) محمد امین

حضرت والد بزرگوارؒ کی وفات کے بعد محترم قاضی ظہور حسن صاحب سیوہاروی نے یہہ استفتاء بندہ کے پاس بھیجا تھا میں اس زمانہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا اپنے اساتذہ سے میں نے اس مسئلہ کی تحقیق کی بجز اللہ یہہ مسئلہ صاف ہوا اور مدلل لکھکر قاضی صاحب کی خدمت میں روانہ کیا تھا بغرض رفاہ عام مسلمین شائع کیا جاتا ہے سید محمد رضوی

قاضی صاحب موصوف ذہین اور قابل شخص تھے مقبول شاعر بھی تھے تاریخ پر کافی عبور تھا اور حضرت والد بزرگوارؒ کے حالات ارادت و سلسلہ میں داخل تھے اس وجہ سے قاضی صاحب کو مجھ سے خاص لگاؤ اور تعلق تھا اور اسی بناء پر قاضی صاحب نے استفتاء مجھ حقیر کے پاس جواب کیلئے بھیجا سوال سے قاضی صاحب کی ذہانت کا ہی پتہ چلتا ہے۔ اسوقت قاضی صاحب بقید حیات نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین سید محمد رضوی

قاضی صاحب مرحوم کو کہ بہ سلسلہ تالیف و تصنیف حضور نظام دکن سے بھی غالباً پچاس ساٹھ روپیہ ماہانہ کی امداد حیات ملتی رہی۔

۵۵۔ مہر فاطمی اور مہر شرعی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مہر فاطمی کی تعداد کیا تھی اور مہر شرعی اور مہر فاطمی میں کوئی فرق ہے یا ایک ہیں۔

الجواب

مقدار مہر حضرت فاطمہؑ کی تخمیناً ایک سو ساڑھے چھپن روپیہ ہوتی ہے اور مہر شرعی سے اکثر عرف میں مہر فاطمی مراد لیتے ہیں اس صورت میں مہر فاطمی اور مہر شرعی میں کوئی فرق نہ ہوگا اور نہ اصل مہر شرعی سے مراد کہ اونے مقدار اسکی دس درہم سے کم نہ ہو اور قدر زائد کی کوئی مقدار نہیں زوجین جسقدر پر راضی ہوں وہی مقدار ہے البتہ کمی مہر مسنون ہے (درہم کی مقدار مستحب ساڑھے

ماشاء چاندی ہے) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

نقل فتویٰ مولانا سید احمد حسن محدث امر و ہوئی

۵۔ جائداد بعوض دین مہر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس امر میں کہ زید کی ایک زوجہ اور تین دختر ہیں۔ اولاد ذکر نہیں ہے۔ زید نے اپنی حیات و صحت میں بعد فراغ شادی دختران رو برو ہر سہ دختران و مرد و عورت خاندان خود یہ بیان کیا کہ زیور و نقدی جو مرے پاس تھا وہ سب لڑکیوں کی شادی میں، میں نے خرچ کر دیا۔ اب مرے پاس سوائے جائداد منقولہ کے کچھ نہیں ہے اس جائداد کو میں تمہارے سامنے اپنی زوجہ کو بعوض دین مہر پانچ ہزار روپیہ کے دیتا ہوں۔ آج سے یہ مالک و قابض ہے اس کو اختیار ہے کہ خواہ بیع رہن کرے یا رکھے چنانچہ اسی سال ۱۸۹۱ء سے کل آمدنی جائداد کی حسب اقرار زبانی زوجہ زید مذکور کے تحت تصرف و قبضہ اختیار پر مبنی ہے ہی بعد اس اقرار زبانی کے زید نے تاحیات خود جائداد مذکورہ میں اپنی زوجہ کے کچھ تعرض نہیں کیا وہ جائداد و آمدنی جائداد کی بطور خود مالک و متصرف رہی اور انتقال زید کے داخل خارج جائداد کا زوجہ زید کے نام ہوا ان ہر سہ دختران نے اپنے نام داخل خارج ہونا نہ چاہا بلکہ اپنے حصے سے دست بردار ہو کر بیان کیا کہ ہماری والدہ بعوض دین مہر کے ہمارے باپ کی زندگی میں اس کا جائداد پر قابض و متصرف رہی ہم اپنے نام کا درج کرانا نہیں چاہتے بعدہ دو دختران خورد و نحیات والدہ خود فوت ہو گئیں۔ ایک نے ایک پر دوسری نے ایک دختر چھوڑی اور ایک دختر کا شوہر بھی منجملہ ہر دو دختران مذکور کے اپنی زوجہ کی حیات میں فوت ہو گیا۔ بعد انتقال ہر دو دختران مذکورہ کے زوجہ زید نے ایک بہہ نامہ منجملہ جائداد و آمدہ دین مہر خود کی تخمینہ قیمت چار ہزار پانسو روپیہ اپنی دختر کلان موجودہ کے نام تحریر کر کے تکمیل رجسٹری وغیرہ سے کرا دی اور ماقبی آمدنی جائداد کو تاحیات خود اپنے خرچے و اخراجات ضروری کے واسطے رکھی اور اپنے خاندان والوں سے بیان کیا کہ بعد انتقال

مرے اس جائیداد مافی کی بھی مالک مری دختر موجود ہوگی اس کے بعد زوجہ زید بھی فوت ہوگئی۔
اس میں حکم فرائض کیا ہے یعنی ہر دو دختر اور دختران متوفیہ نے چھوڑے ہیں ان کا کوئی حق جائیداد
مذکورہ میں باقی یا اور کل جائیداد سنی و صحرائی پانچ ہزار سے زیادہ ہی نہیں اور پانچ ہزار دین مہر زوجہ
زید کا ہے۔

الجواب

مدار عتود شرعیہ ایجاب و قبول عائدین پر ہے۔ کاغذات تحریری جن کو قبائلیہ جات و
دستادریات بغرض یادداشت ہیں اور رجسٹری جواز جملہ شہادت ہے بغرض توثیق ان پر مدار عتود
نہیں پس زید نے یہ تمامی جائیداد و بروئے خاندان و بہ موجودگی دختران بعوض دین مہر اپنی زوجہ کو
دیدہ یہہ زید کا صحیح ہے اور یہہ بیچ درست زید کا اپنے زمانہء حیات میں اس جائیداد کو زوجہ کے
تصرف میں اپنی تکمیل عتد کی کافی دلیل۔ اور یہہ کل جائیداد مملوکہ زوجہ زید ہے۔ زید کی ملک نہیں۔
فوت زید وہ متروکہ زید قرار پائے اور دختران زید کو اپنے حصہء شرعیہ کا اس میں استحقاق ہو حال
زوجہ زید متونی کے نام اس جائیداد کا داخل خارج ہونا ضرورتاً بالخصوص اس حالت دختران زید نے
جودارث زید تھیں اس کا اقرار کیا ہے کہ یہہ جملہ جائیداد بعوض دین مہر ہی والدہ کی ملک ہے اور ہم
کو اس میں کچھ دعویٰ نہیں اب چونکہ زوجہ زید نے بحالت صحت و عقل اور اپنی دختر کے نام یہہ
کردی۔ یہہ تصرف اس کا نیز صحیح ہے۔ جس قدر جائیداد یہہ کرنے سے باقی تھی اس کا بھی یہہ زبانی
کر دیا ہے۔ دوسرے بر تقدیر عدم صحت یہہ تسلیم یہہ زبانی وہ متروکہ زوجہ زید ہوگی۔ وارث اس
کی ایک دختر ہے دختران فوت شدہ کی اولاد۔ دختر چونکہ از جملہ اصحاب فروض ہے اور اولاد دختر جملہ
ذوی الارحام اور ہوتے اصحاب فروض کے ذوی الارحام محروم رہتے ہیں۔ اس لئے صورت
مستفسرہ میں مسئلہ رویہ ہو کر جملہ جائیداد باقیہ نیز دختر کو ملے گی اور اولاد دختر محروم رہے گی واللہ سبحانہ
تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

حررہ خادمہ الطالبہ احقر الزمنا احمد حسن الحسینی الامروی

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹا محلہ ایسا ہے کہ وہاں پر اولاً کوئی مسجد نہ تھی۔ اس محلے کے بعض بعض شخص دوسرے محلے کی مسجد میں جو بہت قریب ہے نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے پھر تھوڑے دنوں کے بعد سب لوگ متفق ہو کر اس محلے میں ایک مسجد بنوائی لیکن بانی مسجد اس کا ایک ہی شخص ہے سب کو نماز کے لئے اذن عام دیدیا عرصہ مدت تک اس مسجد میں وہاں کے سب لوگ نماز جمعہ پڑھی پھر کسی دنیا کے معاملات کی وجہ سے اس محلہ مذکور کے بعض شخص سے اور بانی مسجد سے غایت درجے کی دشمنی ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور سابق میں جس مسجد میں پڑھتا تھا اس کی بنا کے قبل۔۔۔ پھر وہاں پر پڑھنا شروع کیا جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم اپنے محلے کی مسجد میں کیون نماز نہیں پڑھتے ہو تو کہتا ہے کہ ہم کو خوف معلوم ہوتا ہے وہاں جانے میں۔ ہم نے سنا ہے کہ بانی مسجد کہتا ہے کہ اگر فلاں شخص ہماری اس مسجد میں آوے تو میں ان کو قتل کرونگا۔ اور جب بانی مسجد سے پوچھا جاتا ہے تو کہتا ہے یہ سب جھوٹ ہے میں نے اس کو ہرگز نماز کے لئے منع نہیں کیا کیونکہ مسجد تو میں نے اللہ کے واسطے بنوائی ہے۔ نماز کے ساتھ کیا دشمنی۔ ہاں البتہ ان کے اور ہمارے درمیان دنیا کے چند معاملات میں نا اتفاقی اور دشمنی ہے اور گواہ ہر ایک کا اپنے اپنے دعویٰ پر موجود ہے تو اس تقدیر پر وہ شخص کہ جس کے اور بانی مسجد کے درمیان دشمنی سے اس چھوٹے محلہ مذکورہ میں دوسری مسجد بنوا کر جمعہ وغیرہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ مسجد ثانی، مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ یا مسجد ضرار کے اس کا جواب، دلائل واضح فقہی بمطابق مذہب حنفیہ کے تحریر فرمائیں۔ حکم الثواب عند الملک العزیز

الوہاب

الجواب

دنیاوی دشمنی اور عداوت کے سبب دوسری مسجد قریب مسجد اول کے بنانا جبکہ بنا اس کی محض اسی لئے ہے جائز نہیں اور کیا عجب ہے کہ حکم مسجد ضرار میں ہو جاوے اگرچہ نماز اس میں بھی

ہو جائے گی مگر یہ امر درست نہیں کہ موجب تفرقہ اہل اسلام ہے۔

کتبہ عزیز الرحمن غفرلہ دیوبندی

الجواب صحیح

بندہ محمود حسن غفرلہ دیوبند

۵۸۔ بیج وہبہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلے میں کہ شیخ نجیب خان فوت ہوئے ایک زوجہ، تین دختر اور تین برادرزادگان چھوڑے وقت اندراج نام ورثہ کا غذات سرکاری میں دختران نے یہہ اظہار کیا چونکہ والدہ ہماری ترکہ پر بدین مہر قابض ہے لہذا اپنا نام لکھوانا نہیں چاہتے بلکہ نام ہماری والدہ کے درج کا غذات سرکاری ہو جائے پس کا غذات میں نام زوجہ کا ہوا اور دختران اور برادرزادگان کا نام درج نہیں اب سوال یہہ ہے کہ آیا اظہار کلام دختران سے اور درج ہونے نام زوجہ سے کا غذات سرکاری میں اس ترکہ میں سے حصہ دختران کا ساقط ہو گیا اور سب ترکہ ملک خارجہ میں ہو گیا یا نہیں۔ بیوا تو جزوا

الجواب

اس صورت میں ترکہ غلام نجیب خان سے حصہ دختران کا ملک والدہ دختران میں ہرگز منتقل نہیں ہوا۔ اور اس کلام اور اظہار دختران سے اور درج ہونے نام والدہ سے کا غذات سرکاری میں حصہ میراث دختران کا ساقط نہیں ہوا بلکہ ملک دختران کی اپنے حصہ میراث میں بحال قائم ہے ہرگز اس کلام سے ملک والدہ میں انتقال نہیں ہوا۔ کیونکہ یہاں سبب انتقال ملک دختران سے ملک والدہ کے دو امر کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایک یہہ دوسرے بیج اور بیج دونوں سبب یہاں معدوم ہیں۔ اس کلام و اظہار سے نہ یہہ ہو سکتا ہے نہ بیج اول یہ کہ بیج وہبہ میں بائع اور واہب خطاب مشتری اور موہوب بھی کر کے کہتا ہے۔ کہ یہہ چیز میں نے تم کو دی یا وکیل مشتری اور وکیل

محبوب سے کلام کرتا ہے اجنبی آدمی سے یہہ کلام لغو ہے کیونکہ اس سے عقد اور بہہ نہیں ہے غیر
 سے ایسے کلام کا کہنا اخبار ہوتا ہے کہ جو قبل وقوع بیع و بہہ کذب و لغو ہے کیونکہ عقد بیع و بہہ انشاء
 ہے کہ اسی وقت یہہ کیا جاوے نہ جبر کہ جس کا وجود پہلے ہو چکا ہے پس اہل مدسکری جس سے
 دختران نے خطاب کیا کہ نام ہماری والدہ کا درج کیا جائے نہ اصل ہے نہ وکیل۔ والدہ کا ہے۔
 بلکہ وکیل سرکار کا ہے پس اس سے کلام کرنے میں عقد بیع و بہہ کا ہونا محال ہے لہذا اس اظہار سے
 ہرگز عقد بیع و بہہ نہیں ہو سکتا۔ قال فی الہدایۃ البیع - یعتقد بالایجاب والقبول اذا کان بائناظ الماضی مثل
 ان یتقول احدہما یبعت والاخر اشتریت وفيہ ایضاً فی البیان البیعت تصح بالایجاب والقبول التنبہ۔
 اما الایجاب والقبول فثلاثۃ عقد والمعتقد - یعتقد بالایجاب والقبول۔ وقال فی الہدایۃ - یعتقد الیہ بقولہ
 وبیت ونحلت واعطیت الخ

پس جس صورت میں کہ یہاں دوسرا کوئی مخاطب قبول کر نیوالا موجود نہیں نہ اصلۃ نہ
 وکالۃ تو یہہ عقد بیع و بہہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہہ کہ یہ الفاظ اظہار کے الفاظ بیع و بہہ نہیں کیونکہ
 الفاظ بیع و بہہ سے وہ ہوتے ہیں۔ کہ جس سے تملیک کسی شے کی دوسری کوئی پائی جائے۔ اور یہاں
 یہہ لفظ کہنا کہ نام والدہ کا درج ہوا عطاء و تملیک پر کسی وجہ سے دال نہیں بلکہ اس کے معنی نام لکھا دینا
 ہے جو تملیک کے غیر ہے۔ پس جب معنی عطاء و تملیک کے اس میں نہ پائے گئے۔ تو یہ لفظ مفید
 بہہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ مفید بیع ہو سکے۔ کیونکہ بیع و بہہ بدون ایجاب کے منعقد نہیں ہو سکتے قال فی
 در المختار فی بیان معنی الایجاب والقبول وہا عبارۃ عن کل لفظین ینبہان عن معنی التملیک والتملک
 ماضیین (دو ماضی) کبعت واشتریت وحالین۔

اور الفاظ بہہ میں سے بہہ بھی یہ لفظ نہیں کیونکہ الفاظ بہہ کی وہ ہو سکتے ہیں جن میں معنی
 تملیک پائے جائیں اور فرق بہہ اور بیع میں صرف ثمن کا وجود عدم ہے۔ پس جیسے الفاظ تملیک بیع
 کے واسطے ضروری ہیں ایسے ہی صحت بہہ بھی الفاظ تملیک پر موقوف ہیں۔ اسکے باوجود یہ اگر بہہ
 لفظ بہہ و بیع کے واسطے مستعمل ہوتا بھی تاہم یہہ لفظ امر ہے اور صحت بیع و انعقاد عقد بیع کے واسطے

الفاظ ماضی شرط ہے۔ جیسا کہ عبارت مستخدمہ ہدایہ سے واضح ہے نیز در مختار میں ہے۔ والما لم یختص
 لا استنبال فکا الامر لا یصح اصلاً تیسرے یہ کہ یہاں والد کی طرف سے کوئی لفظ قبول نہیں بلکہ محض
 سکوت ہے اور عقد بیع و ہبہ بدون قبول کے منعقد نہیں ہو سکتا لہذا جب ایجاب مرفوع تھا قبولی بھی
 یہاں نہیں ہے۔ پس بلا ایجاب و قبول کے اس کا عقد بیع ہونا ممکن نہیں کیونکہ ایجاب و قبول رکن بیع
 و ہبہ ہیں۔ کما قال فی الہدایہ فی باب البیع ینعقد بالا ایجاب والقول و فی در المختار ولا یتوقف سطر العقد
 فیہ ای البیع علی قبول غائب فلو قال بعث فلاناً لغائب فبلغه فقبل لم ینعقد و فیہ فی بیان الہبہ در کنھا
 الا ایجاب والقول۔

چوتھے یہ کہ اگر اسکو ہبہ تسلیم کیا جائے تو ہبہ مشاع کا فاسد ہے اور موجب ملک
 موهوب لہ کا نہیں ہوتا اور یہہ ترکہ مشترک ہے کیونکہ اس میں حصہ برادر زادگان کا بھی موجود ہے
 پس اگر دختران نے اپنا حصہ والدہ کو ہو سکتا بھی ہو تو یہہ مشاع کا ہوگا۔ اور یہہ مشاع سے ملک
 والدہ کی شے موهوب میں ہرگز نہیں ہو سکتی۔ قال فی در المختار ولو سلمه شائعاً لایملک ولا ینفذ تصرفہ
 فیہ اور بیٹوں کا یہہ قول کہ والدہ ہماری بدین مہر ترکہ پر قابض ہے جواب اسکا یہہ ہے کہ قبضہ زوجہ کا
 ترکہ زوج پر بدین مہر قبض ملک نہیں ہوتا بلکہ قبض اس کا قبض رہن ہوتا ہے کہ زوجہ کو اختیار بیع رہن کا
 نہیں لہذا اس قبضے سے کبھی ملک والدہ کی جو زوجہ متوفی ہے۔ ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ اگر ورثہ بیع
 شرعی بوجہ دین مہر کہ دین یا حاکم دین مہر میں ترکہ نیلام کر دیتا تو زوجہ البتہ مالک ہو سکتی تھی۔ مگر
 یہاں معلوم ہے کہ ورثہ نے بیع نہیں کی اور نہ حاکم نے نیلام کرایا اس کو کسی طرح ملک زوجہ نہیں کہہ
 سکتے۔

مہر اسمہ احمد

۵۹۔ اذان میں تقبیل ابھامین

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اذان میں نام
 پاک ﷺ کا سن کر انگوٹھوں کا چومنا اور آنکھوں سے لگانا سنت ہے یا فرض یا کیا ہے۔ جواب صاف

حدیث صحیح سے مع ترجمہ حدیث بیّنات و جزوا۔

الجواب

نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب ہے نہ مستحب بلکہ بدعت ہے اور بے اصل جو احادیث کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں اور جن روایات کے بھروسے تقبیل ابہام کو سنت یا مستحب سمجھا جاتا ہے وہ جملہ بہ تحقیق محدثین نامعتبر ہیں بلکہ از جملہ موضوعات۔ امام شوکانی کتاب فوائد مجموعہ فی احادیث الموضوع میں تحریر فرماتے ہیں۔ حدیث مسح العینین بباطن اعلیٰ السباہین عند قول الموزن اشحد ان محمد الرسول اللہ رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی بکر الصدیق مرفوعاً قال ابن الظاہری التذکرۃ لا یصح اتھی اور نیز تحریر فرماتے ہیں من قال حین یسمع اشحد ان محمد الرسول اللہ مرحبا بحی وقرۃ یعنی محمد بن عبد اللہ ثم یقبل ابھامیہ ویکملھما علی عینیہ، لا یصح۔ اور شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی اپنی کتاب مقاصد احادیث الشتمہ علی الالسنہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ لا یصح فی المرفوع من کل هذا الشئ

اور ملا علی قاریؒ نے تذکرۃ الموضوعات میں ان احادیث کو از جملہ موضوعات تحریر فرمایا ہے روایات فقہ جو اس کے استحباب میں خزانۃ الرویات یا کنز العباد و جامع الرموز و فتاویٰ صوفیہ سے نقل کی جاتی ہیں۔ وہ بھی نامعتبر ہیں۔ کتب متداولہ عند العلماء میں کہیں اس قسم کی روایات کا پتہ نہیں اور خود یہ کتابیں جن سے ان روایات کو نقل کیا جاتا ہے اور نام ان کے اوپر مرقوم ہوئے عند العلماء نامعتبر ہیں۔ ان کتب میں رطب و یابس کو بلا تشخیص جمع کر دیا ہے چنانچہ مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنؤ نے اپنے رسالہ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر میں اس مضمون کو مفصل لکھا ہے بالجملہ مسئلہ تقبیل الالبہامین ایک بے اصل مسئلہ ہے احادیث صحیحہ و روایات کے بالکل خلاف۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ خادم الطالبہ (احمد حسن غفرلہ)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیاں شرع متین اس مسئلے میں کہ یہاں پر جو رسم درواج جاری ہے کہ سوم دوم و بستم و چہلم کو قبرستان میں جا کر کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں اور ثبوت اس کا کتاب بتلک عشر سے لیا ہے اس حدیث سے کہ آپ ہر سال کے ختم ہو جانے پر قبرستان شہداء اُحد پر جاتے تھے۔ مع اصحاب کے جواب صاف صاف حدیث صحیح سے۔ بیوقوف جزوا۔

الجواب

اولہ شرعیہ دو طور پر ہیں ایک وہ جن کو شارع نے قید زمان و مکان و دیگر قیودات و تعینات کے ساتھ مقید فرما کر مامور فرمایا ہے۔ مثلاً نماز جس میں قیودات زمانی و مکانی و تعداد رکعات وغیرہ سب ماخوذ ہیں یا روزہ جس کی ابتداء و انتہاء کو محدود و موقت کر کر مامور فرمایا گیا۔ ایسے ادا مراء ایسے مامورات شرعیہ کو مقید کہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ جس میں کوئی قید زمانی و مکان اور کوئی ہیئت خاصہ اس کی ادا کے اندر ماخوذ نہیں کیف مالتق جس طور پر بن پڑے ادا کرنا اس کا صحیح ہے مثلاً جہاد کہ بعدر جاء شوکت جس طور پر کہ موقع وقت سمجھا جائے ادا کرنا اس کا صحیح ہے۔ زمان خاص اور وقت معین یا مکان خاص یا سلاح مخصوص یا عدد معین کوئی قید اس میں ماخوذ نہیں ایسے مامور شرعی کو مطلق کہتے ہیں۔ مطلق شرعی ہر مقید میں موجود ہو سکتا ہے۔ کسی قید مخصوص کے ساتھ اس کو مقید کر لینا اور قید خاص کو اس میں داخل سمجھنا بدعت ہے۔ جیسے مقید شرعی کی قیودات کو اٹھا دینا اور یوں سمجھنا کہ بضمن ہر مقید ادا ہو سکتا ہے۔ قید خاص کی کیا ضرورت ہے بدعت ہے۔ بالجملہ مطلق شرعی کو مطلق رکھنا ضرور ہے اور مقید شرعی کو مقید۔ مطلق کا مقید کرنا اور مقید کا مطلق دونوں از جملہ بدعات مستقیمہ ہیں۔ کیوں نہ ہو کل بدعت ضلالہ و کل ضلالہ فی النار ایصال ثواب نیز مطلق شرعی ہے کوئی قید زمان و مکان اور کوئی ہیئت خاصہ اور طرز خاص اس میں ماخوذ نہیں۔ نقد ہو یا طعام جو بن پڑے بدنی ہو یا مالی ہر طرح ایصال ثواب جائز ہے اور امید ہے کہ مردہ کو ثواب ملے اور فائدہ ہو اس کو مقید کرنا بے شک بدعت قبیحہ ہے

فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے مکرہ اتحاذا الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی الموسم واتحاذا الدعوت لقرأ القرآن وجمع العلماء والقراء للختیم والقراءة سورة الانعام والاخلاص یعنی مکروہ ہے تیار کرنا کھانے کا پہلے دن یا تیسرے دن یا بعد ہفتہ یا لیجانا کھانے کا بجانب قبر عرس وغیرہ میں اور دعوت لینا بوجہ قرآن خوانی کے اور جمع کرنا صلحاء اور قراء کا واسطے ختم قرآن کے یا واسطے ختم سورہ انعام واخلص کے۔

علامہ مستملی شارح منیۃ المصلی تحریر فرماتے ہیں مکرہ اتحاذا المضاہ من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لانی الحزن وہی بدعت متقیہ یعنی مکروہ ہے ضیافت لینا اہل میت سے اس لئے کہ ضیافت فی حالت السرور مشروع نہ فی حالت الحزن والغم اور ضیافت یعنی بدعت قبیحہ ہے اور فتح التقدیر میں نیز یہی عبارت مرقوم ہے۔ بالجملہ نفیس وقت مثلاً سوم دہم بستم چہلم اور قبر پر بالالتزام جانا اور ان رومات ناجائزہ کو ادا کرنا دونوں از جملہ بدعات متقیہ (تبیح) ہیں اور جائز نہیں۔ حضور سرور عالم ﷺ کا علی راس کل حول یعنی ہر سال شہداء اُحد کے قبرستان پر جانا بغرض اداء رسم چہلم وبری وغیرہ کہیں ثابت نہیں اور نہ کسی روایت صحیحہ میں جو ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح ہو ثبوت اس مضمون کا۔ البتہ علی سبیل الاتفاق ولو کان علی راس الحول زیارت قبور کی غرض سے تشریف لے جانا بیشک ثابت ہے یوں نہیں کہ حضور وہاں تشریف لے جا کر کوئی رسم ان رسوم مروجہ سے ادا فرماتے ہوں۔ حاشائے حاشیہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ عن محمد بن ابراہیم قال کان النبی ﷺ یاتی قبور الشہداء علی راس کل حول فیتقول سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عبقتی الدار و ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم یعنی نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم و حضرات ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم قبور شہداء پر ہر سال جا کر سلام علیکم بما صبرتم فنعیم عبقتی الدار فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث سے زیارت قبور شہداء کو اور سلام علیکم جواز جملہ آداب زیارت قبور ہے کہنا ثابت ہوا۔ رسومات مروجہ کا ادا کرنا ثابت نہیں پس اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے ہرگز صحیح نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلہ التم

حررہ خادم المطلبہ احقر الزمن احمد حسن الحسینی غفرلہ

کنایات طلاق ان الفاظ کو کہتے ہیں جن کی وضع طلاق کے واسطے نہ ہو یعنی جو صراحۃً طلاق پر دلالت نہ کریں مگر معنی طلاق کو محتمل ہوں اور احتمال طلاق کا رکھتے ہوں ان کی تین قسم ہیں ایک وہ قسم کہ جیس معنی طلاق کو محتمل ہو۔ رد کلام کو نیز محتمل ہو جیسا کہ لفظ آخری ازہبی، قوی دوسری وہ قسم کہ رد کلام کے سوا معنی سب و شتم و زجر کا احتمال رکھے جیسا کہ الفاظ خلیہ، برتہ، تبتہ، حرام، مامن تیسری وہ قسم کہ رد کلام کا اس میں احتمال ہو نہ سب، گالی کا حالت رضا مندی میں یعنی وہ حالت کہ مذکورہ طلاق ہو نہ حالت غضب ہو ہر سہ اقسام کے تلفظ سے طلاق بدون نیت واقع نہیں ہوتی حالت رضا میں وقوع طلاق نیز نیت پر موقوف ہے اور حالت غضب میں قسم اول اور قسم ثانی دونوں وقوع طلاق نیز نیت پر موقوف ہے اور اگر نیت نہیں ہو حالت غضب سے طلاق واقع نہیں ہوئی ہاں قسم ثالث کے الفاظ کہنے سے بحالت غضب طلاق بغیر نیت واقع ہو جاتی ہے۔ اور حالت مذکورہ طلاق میں یعنی جس وقت میں یا تو زوجین مذاکرہ طلاق کر رہے ہوں۔ قسم اول کے الفاظ موقوف علی النیت ہیں اور قسم ثانی اور قسم ثالث کے الفاظ اگر غایت مذاکرہ طلاق زبان سے سرزد ہوں تو بغیر نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

واللہ اعلم علمہ اتم

خادم الطلبة احقر الامن

۲۸ جمادی الثانی چہار شبہ ۱۳۱۵

۶۲۔ جواب سوال برآمدہ از کاظمیادار

الجواب واللہ تعالیٰ ملہم بالحق والصواب

اولیاء کرام کی تعظیم بے شک از جملہ شعائر اسلام ہے اور ان سے عقیدت راسخہ اور محبت صادقہ رکھنے والا بے شبہ من جملہ آثار کمال ایمان ہے حضور سرور عالم ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

من احب الله والغنى الله واعطى الله ومنع الله فقد استكمل ايمانه مگر ہر چیز کا حسن اور اس کی خوبی اسی
 وقت تک محفوظ رہتی ہے کہ وہ شے اپنے اندازے پر رہے نہ کم ہونے زیادہ ورنہ حسن کہاں۔ بیشک
 بعد کی بیشی کے وہ شے قبیح و مذموم ہو جاتی ہے حیات میں دیکھئے۔ کھانے میں خوبی طعام و خوش
 ذائقگی مطعومات جملہ نمک کے ساتھ وابستہ ہیں یہ خوبی ذائقہ و لذت طعام جملہ اسی وقت محفوظ ہے
 کہ نمک اپنے اندازے پر محفوظ رہے نہ کم ہونے زیادہ ورنہ در صورت کی بیشی نمک کے عمدہ عمدہ
 اغذیہ کیسی بد مزہ ہو جاتی ہیں اور کس درجہ باعث تلحکامی۔ دینیات میں ملاحظہ فرمائیے حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام سے حسن اعتقاد رکھنا کیسا اچھا اور کس درجہ ضروری کہ بغیر اس کے ایمان میسر نہیں لیکن
 اگر اس درجہ افراط کے ساتھ کہ ان حضرت کو عین اللہ یا ابن اللہ سمجھا جائے یا اس مرتبہ کم کہ ان کی
 نبوت پر اقرار نہ ہو ایمان کہاں اور حسن کہا۔ اس درجہ قبیح و مذموم کہ عین کفر۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 سے عقیدت اور محبت راخہ رکھنی کیسی اچھی اور کیسی ضرور بغیر اس کے فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت
 سے خارج لیکن اگر اس مرتبہ افراط کے ساتھ ہو کہ ان حضرات کو اول الخلفاء اعتقاد کیا جاوے یا ہم
 مرتبہ حضرت رسالت یا اتنا کم کہ بجائے حسن عقیدت کے بد اعتقادی ہو حسن کہاں اس مرتبہ قبیح کہ
 بعد اس افراط و تفریط کے یا رافضی قرار پائے یا خارجی۔ بدعت جو شرعاً مذموم ہے اور وہ بھی اس
 مرتبہ کہ ارشاد فرماتے ہیں کل بدعت ضلالت و کل ضلالت فی النار یا فرماتے ہیں البدعت شرک
 الشریک یعنی جیسا کہ شرک منافی ہے لا الہ الا اللہ کے اور اس اول جزو ایمان کے مخالف ہے علیٰ ہذا
 بدعت دوسرے جزو ایمان کے خلاف ہے اور محمد رسول اللہ کے منافی۔ بنا اس درجہ مذمومیت کے
 اس امر پر ہے کہ امور شرعیہ اور مسائل احکام دینیہ جس اندازہ کے ساتھ شارع کی طرف سے ثابت
 ہیں۔ بعد احداث بدعت و ایجاد امور جدیدہ اس انداز شرعیہ پر محفوظ نہیں رہتے بلکہ ان میں یا افراط
 زیادتی من عند النفس واقع ہوتی ہے یا کمی و تفریط۔ یا جملہ مدار حسن اعمال و خوبی افعال نیز اس پر
 ہے کہ وہ اعمال و افعال اپنے اندازہ شرعی پر محفوظ رہیں ورنہ وہ اعمال اگرچہ از جملہ حسنات تھے بعد
 افراط و تفریط از جملہ سیئات ہونگے۔ اکابرین و اولیاء و مقربان امت سے محبت صادقہ اور عقیدت

راخہ رکھنے اس وقت تک حسن اور از جملہ آثار ایمان ہے کہ وہ حضرات رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اپنے انداز عبودیت و مرتبہ بندگی سے متجاوز نہ ہوں۔ ورنہ اس مرتبہ افراط کے ساتھ کہ ان کو عین خدا سمجھا جائے یا کارخانہ قدرت قادر مختار میں دخل کار محبت رکھنے اور اس زیادتی کے ساتھ اعتقاد کرنا عین شرک ہے اور کھلا کفر اعزاز اللہ و سائر المسلمین منہ۔ مضمون مندرجہ سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرتکبان ان اعمال قبیحہ و حرکات شنیعہ کے حضرت شیخ علیہ الرحمہ والرضوان کو عین خدا سمجھتے ہیں اور کارخانہ قدرت میں پورا دخل اور وہ بھی اس مرتبہ کہ خود حضرت شیخ علیہ الرحمہ یک طرفہ و لکڑی جس کو خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ تراش چھیل چھا لکر بندش کیا ہے اور وہ پھول جس کو آپ نے گوندھا۔ بعد اس شرف کے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ والرضوان کی جناب اقدس تک منسوب ہوں اور ان حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کی طرف انتساب کر کر ان کے نام زد کے جائے اس مرتبہ مقبول ہو جائے کہ ان کے روبرو مراتب عبودیت بجالانا اور سجدہ و طواف وغیرہ کرنا جملہ جائز ہو جاتا ہے۔ ان سے مرادات مانگنا صحیح ہے اور ان کو پورا کرنے مرادات کی اور بیٹا وغیرہ دینے کی قدرت ہے اعزاز اللہ من ذلک کلہ۔ بعد جملہ حرکات شنیعہ از جملہ شرکیات من جملہ بدعات سیئہ مرتکب ان کا کافر ہے یا اعلیٰ درجہ کابدعتی ان کو چاہیے اپنی ان حرکات شنیعہ سے توبہ صادقہ کرین اور ایسی رسوم باطل کو بالکلیہ چھوڑ دین ورنہ حشر اپنا کفار و مشرکین کے ساتھ سمجھیں۔ واللہ اعلم بالصواب واللہ بہدی من یشاء الی صراط مستقیم و صوب کل شیء علیم

حررہ خادم الطلبہ احقر الزمن

احمد حسن المحسنی الامروہوی البیہقی الصابری غفرلہ

والوالدیہ و احسن الیہما والیہ

تعظیم مسجد از جملہ ضروریات دین ہے اور وہ بھی اس مرتبہ کہ وضوء باین کہ از جملہ عبادات ہے مگر چونکہ منافی تعظیم مسجد ہے سطح مسجد پر کرنا جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے اور تھوکنائیز ممنوع ہے۔

یکرو المضمحہ والوضوء فی المسجد الا ان یکون شمره موضع اتخاذ لذلک لا یصل فیہ او تضائی الاناء ولا یزق فی المسجد لافوق البیاری ولا تحت الحصیر لانا امرنا تعظیم المسجد وصونہا عن النجاستہ فیاخذ النجاستہ فی ثوبہ ویطہبہا فی المسجد

ملقط من فتاویٰ قاضی خان

پس تھوکنانہایت تعظیم مسجد کی بنا پر از جملہ نجاسات ناجائز رہا اور وضوء اور مضمحہ توہین مسجد کو ملترزم ہوا۔ کتون کا یا اور جانوروں کا مسجد میں بیٹھنا اور بول و براز کرنا کیونکر جائز ہوگا اور کیون نہ تعظیم مسجد کے خلاف اور اس کی توہین کا باعث ایسی حالت میں اہل اسلام پر لازم ہے جس طرح ہو سکے مسجد کو اس کھلی اہانت سے محفوظ کریں اور اس کی عظمت کو قائم۔ بے شک مسجد کا شکستہ ہو کر نا آباد پڑا رہتا باعث اس اہانت ولی تعظیمی کا ہوا جس طور ممکن ہو خواہ تعمیر کر کر خواہ بطور ترحم اس بقعہ پاک کو جس میں مدتوں نماز پڑھی گئی ہے آباد کریں اور جس تعظیم کا وہ بقعہ پاک مستحق ہے وہ عظمت کرتے رہیں۔ یہ خیال غلط ہے کہ ہوتے مسجد سابق کے بوجہ آنے آواز آذان کے باوجود اسی بعد کے دوسری بنانا یا اس کی مرمت کرنی جائز نہیں۔ البتہ جمعہ اس مسجد میں جو مسجد سابق ہے ادا کریں۔ آباد کرنا اور آباد رکھنا مساجد کا از جملہ شعائر اسلام ہے ومنجملہ آثار ایمان قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ انما امر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر۔

جو صاحب اس کار نیک کی امانت میں چندہ دینگے انشاء اللہ تعالیٰ موافق وعدہ نبی کریم ﷺ من بنی للہ مسجد انبی اللہ پیانی الجنۃ۔ بیشک مستحسن ثواب ہونگے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم علمہ اتم و احکم
 حررہ خادم الطلبہ احقر الزمن احمد حسن الحسینی الامر و ہوی غفرلہ
 ذلک من تعظیم شعائر اللہ فانما من تقوی القلوب
 عبد الرحمن کان اللہ لہ والوالدیہ

۶۳۔ جواز نکاح ۲۰ بالغہ

کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت و جماعت اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ دختر زید پھر
 ۱۳ سال نکاح اس کا باہتمام اس کی مان و دادی و عم کلان کے بلا موجودگی و اجازت زید کے ساتھ
 ایک شخص مسمی عمر و مذہب و اہل سنت و جماعت کے واقع ہوا۔ مسماۃ ہندہ خود اور تمام خانہ اس کا
 مذہب شیعہ ہے اور کلمہ ایجاب کی جگہ موافق رواج ملک ہندہ نے سکوت کیا تو آیا مذہب اہل سنت
 کے موافق یہ عقد صحیح ہے یا نہیں۔ لہذا در صورت ناراضگی زید کے جو باپ دختر کا ہے یا ہونا چاہیے۔
 یتواذو جزوا۔

الجواب

اگر عم کلان ہندہ کا منجاب زید پدر ہندہ وکیل و مجاز تھا اور عند الاستیذان بجواب اس
 کے ہندہ نے سکوت کیا تو یہ سکوت ہندہ بحکم اذن ہے اور نکاح صحیح فی الدر المختار۔

فان استاذ نہای الولی و هو السنۃ او وکیلہ اور سولہ اور زوجہا و لیما و اخبر ہا رسولہ او فقولی
 عدل فکست۔ او ضحکت او بکت بلا صوبۃ فہو اذن و ملتقط منها۔ اور بالغہ کے نفاذ و صحت نکاح میں
 رضاء ولی ضرور نہیں فیما ایضاً۔ نفذ نکاح ۲۰ مکلفۃ بلا رضی ولی۔ البتہ اگر ہندہ نے کسی دنی القوم
 سے نکاح کیا ہے جو بخت ولی یعنی بخت پدر ہندہ موجب عار ہو تو باوجود صحت نکاح پدر ہندہ کو ازالت
 للعار اختیار ہے کہ اس نکاح کو بحکم قاضی فسخ کرادے۔ ولہ ای للولی الاعتراض فی غیر الکفو فینسخ
 القاضی۔ (الدر المختار) اور اگر عم کلان ہندہ کا منجاب پدر وکیل و مجاز نہ تھا بلکہ اس نے بطور خود بغیر

استرضاء پدر ہندہ یہہ نکاح کیا تو چونکہ ہوتے باپ ولی قریب کے چچا ولی بعید ہے اور بمنزلہ اجنبی تو عند الاستیذان ہندہ کا سکوت کافی نہیں بلکہ اذن صریح کی ضرورت ہے پس اگر ہندہ نے عند الاستیذان صرف سکوت کیا ہے اور پھر بعد العقد منجانب ہندہ کوئی ایسا فعل مرتبہ وقوع میں نہیں آیا جو شرعاً بحکم اذن صریح ہو جیسے مطالبہ مہر یا نفقہ یا تمکین علی الوطی یا قبول تہنیت یا صُحک علی وجہ السرور تو یہہ نکاح غیر صحیح ہے فی الدرا المختار وان استاذ نہا غیر الاقرب کا جنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکو تھا بل لا بد من القول او ما ہونی معناه من فعل یدل علی الرضا کطلب مہر یا اور نفقہ یا او تمکینا من الوطی اور قبول التہنیت والصُحک سروراً وغیر ذلک۔ المستقط منها مقام الحاجت چونکہ بناء سوال یا عدم رضا و پدر ہندہ ہے یا سکوت ہندہ لہذا اس بناء پر جواب لکھا گیا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واکرم

حررہ خادم المطلبہ احقر الزمان احمد حسن غفرلہ

۶۵۔ زوجہ کا اختیار نکاح ثانی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اس شرط پر ایک عورت سے نکاح کیا کہ بدون اجازت زوجہ کہیں باہر نہ جاؤں گا اور در صورت جانے کے دو سال سے زیادہ قیام نہ کروں گا اور چھ ماہ کا سامان خورد و نوش دے کر جاؤں گا اور اگر مین دو سال سے زیادہ قیام کروں گا تو زوجہ کو اختیار ہے کہ نکاح کسی اور شخص سے کر لے۔ اب اس شخص مذکور کو گئے ہوئے چھ سال ہوئے اور ہنوز نہیں آیا اور نہ اس نے اپنی خیریت کا خط بھیجا گو ہمیں یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ وہ شخص مذکور صحیح و تندرست زندہ ہے آیا ایسی حالت میں زوجہ نکاح ثانی کی مختار ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مستفسرہ میں صورت تفویض الطلاق الی الزوجہ وصوت خیار الزوجہ ہے اور یہ ظاہر کہ تفویض طلاق و خیار والامرابا الیہ جملہ بحکم طلاق ہیں۔ یعنی فی ملک النکاح یا مضاناً الی ملک النکاح ہوں تو صحیح ورنہ غیر صحیح۔ اور یہہ خود ثابت کہ نکاح ایجاب و قبول سے قبل متحقق نہیں اور مضمون

سوال سے یہ ثابت نہیں کہ اول من جانب الزوج ایجاب و بهذا الشرط تھا و بجوابہ من جانب قبول
بہذا الشرط۔ پس جواب علی کلا الشکتین لکھا جاتا ہے اگر شق اول ہے یعنی زوج نے اولاً ایجاب بہذا
الشرط کیا ہے اور پھر زوجہ نے قبول بہذا الشرط تو چونکہ مرتبہ ایجاب میں متحقق نہیں لہذا یہ تفویض
قبل از نکاح ہوئی نہ فی حال النکاح و فی ملک النکاح۔ اور اضافت الی ملک النکاح خود مفقود پس یہ
تفویض خود صحیح نہیں باطل ہے۔ اس صورت میں زوجہ کو بر بناس تفویض باطلہ کے کوئی اختیار نہیں
ہو سکتا۔ اور اگر شق ثانی ہے یعنی اول ایجاب من جانب زوجہ ہے اور بجوابہ قبول من جانب زوج تو
البتہ یہ تفویض صحیح ہے اور خیار درست۔ لیکن چونکہ معلق بالشرط ہے بعد و جو شرط متحقق ہوگی بعد علم
بوجود الشرط زوجہ کو بحکم ہذا التفویض و ہذا الخیار اختیار ہوگا فی مجلس العلم اپنے آپ کو طلاق دے مگر
صورت مستفسرہ میں زوجہ نے بعد علم بوجود الشرط مجلس علم کیا معنی چار سالہ مدت تک اپنے کوئی نکاح
الزوج قائم رکھا اور اس مدت طویلہ تک طلاق نہیں لی۔ اب وہ بحکم تفویض سابقہ اس مدت چار
سالہ کے بعد کچھ نہیں کر سکتی۔ فی الفصول العمدیۃ ذکر فی کتاب الحیل۔ الحیلۃ للمطلقۃ ثلاثاً اذا
خافت ان تمسکھا الحیل ان تقول لہ زوّجت نفی منک علی ان امری بیدی و قال الزوج قبلت جاز
النکاح و صار الامر بیدہا ولو بداء الزوج و قال تزوجک علی ان امرئہم بیدک و قبلت جاز النکاح
ولا یكون الامر بیدہا۔ والفرق ان الزوج حین قال لھا امرک بیدک لم یکن فی نکاحہ و الامر بالید انما
یصح فی الملک و مضافاً الی الملک و قد انعدم الامر ان جمیعاً فلا ینصح و فی الفصل الاول حین قبل الزوج
یسیر الامر بیدہا مقارناً بصیرور ہما منکوحۃ لہ۔ و فی فتاویٰ قاضیان فی فصل الوکیل بالنکاح و ان وکل
رجلاً بان یرجہ امرۃ فزوجہ امرأۃ علی ان امرہا بیدہا، النکاح و یطل الشرط۔ و ایضاً فی فصول
العمادیۃ فان کا معلقاً بالشرط فانما یسیر الامر ما بعد فی الامتفوض الیہ اذا وجد الشرط و اذا وجد فان کان
الامر مطلقاً غیر مؤقت ابوقت صار الامر بیدہا فی مجلس علمہا۔ بالجملہ ان روایات مذکورہ سے حکم شکتین
ثابت ہو کر واضح ثابت ہوا کہ علی کلا الشکتین اب زوجہ کو بعد گزرنے اس مدت طویلہ کے کوئی
اختیار نہیں اور بغیر طلاق جدید من جانب الزوج زوجہ بحکم ہذا التفویض کچھ نہیں کر سکتی۔ واللہ سبحانہ

تعالے اعلم و علمہ اتم و احکم

۶۶۔ ہندو کے گھر کا کھانا

ایک ہندو نے کہ جو بیمار تھا توجہ شفا یابی علماء کی دعوت کی برہمائے خوش اعتقادی اتفاقاً وہ اچھا ہو گیا علماء کو اسکے ہاں ایسا کھانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

ہندو کے گھر کا کھانا چند ان مضائقہ نہیں لایا بس البتہ بہتر نہ تھا کہ علماء دین حفظاً لحرمتہ الدین والی الدین وارثاً لملکفر و لہلہ اس ضیافت سے برطرف رہتے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

۶۷۔ اجرت استثناء و فرائض لینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

اصل مذہب یوں ہے کہ اجرت یعنی علی العبادہ کا الاذان والاماتہ و تعلیم القرآن والافتاء ولفقہ وغیرہا جائز نہیں مگر متاخرین فقہاء و علماء وقت نے حالت موجودہ پر نظر فرما کر یعنی اس حالت پر کہ علماء و صلحاء کی خدمت کرنیکی نہ کسی کو توفیق نہ سلاطین وقت کی طرف سے انکا کوئی ذریعہ قوت مقرر والنزوریات بیچ لکھ درات اس امر لکھ در یعنی اجرت علی ہذہ العبادات کو جائز ولایا اس بھی لکھا ہے۔

فی الہدیۃ والاستیجار علی الاذان والجمع و کذا الاقامۃ و تعلیم القرآن ولفقہ والاصل ان کل طائفۃ مختص بما المسلم لا تجوز الاستیجار وقال فی حاشیہ ہذا علی راء المستدین وقال فی الہدیۃ بعض مشائخنا استحسبوا الاستیجار علی تعلیم القرآن۔

فی الجملہ نظر لنزوریات فی زمانہ ہذا اجرت لینا جائز ہے مگر کیا اچھا ہو جو بلحاظ اصل مذہب و نظر تقویٰ اس اجارہ سے حذر ہو اس اجرت لینے کے بارے میں کوئی حیلہ شرعیہ کر لیا

جائے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تحریرہ وخادمہ المطلبہ احمد حسن الامروہوی غفرلہ

۶۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانا

لاریب فی ان المسیح بن مریم رفعہ اللہ تعالیٰ الی السماء حیاً و ما تلوہ و ما صلّوہ یقیناً بل حُجِبَ لہم
و سیزلہ اللہ تعالیٰ عند قرب الساعت بعد خروج الدجال فی جامع دمشق عند منارة الشریعہ بین مہر
و دین و اضعا یدہ علی المسکین یقطر الماء من راسہ کا نہہ خرج من دیحاس فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر
و یضع الجزیہ و یقتل علی یدہ لہ دجال الا کبر دعوت الکافر من نفسہ الشریعہ یقتل الی حیث یتیمی
بصرہ اللطیفہ قول حق لایاتہ الباطل من یدہ بہ و لا من خلفہ کما نطق بہ کتاب اللہ و اخیرہ النبی الصادق
المصدق و لا ینبک و مثل خیر فمن قال انہ مات و ادعی نفسہ بانہ المسیح الموعد فقد شاق اللہ و رسولہ و اعرض
عن النصوص الظاہرہ فی کتابہ و کتاب رسولہ و خالفہما و خالف الامر الثابت فی الدین و من یشاقق
الرسول من بعد ماتین لہ الہدی و یتج غیر سبیل المؤمنین۔ نولہ ما تولى و فصلہ جہنم و ساءت مصیرہ۔ الا
انہم لیتولون منکرًا من القول و زورا الا انہ ضررہ بلا مرہ کثرت کلمہ تخریج من افواہیم ان یتولون
الا کذباً الا انہم فی مریۃ من لقاء عیسیٰ الا انہم فی شک منہ و سیمطل اللہ ما یقول و یفتح بیننا و بینہ بالحق واللہ
خیر الفاتحین و هو علی ذلک کل وکیل و کفی بہ وکیلاً فیا ایہا الذین آمنوا و صدقوا بکتاب اللہ و رسولہ و صدقوا
علیکم ان تکونوا من ہذا الضال النہض علی طرف بعبد و حذر شدید فانہ من دجال عند ہذہ الامت صدق
اللہ العلی العظیم و صدق رسولہ الکریم لا تقوم الساعت حتی یبعث کذا ابون و جالون قریب من ثلاثین کلہم
یزعم انہ رسول اللہ واللہ سبحانہ و تعالیٰ یمدی من یشاء الی صراط مستقیم و هو بکل شیء خیر و علیم و هو اعلم علمہ اتم
واحکم

نوازش نامہ شرف صدور فرمایا۔ ترکیب از زید۔ نوازش صفت مقدم، نام اسم موصوف
صفت موصوف مل کر مبتدا ہوا۔ شرف صفت مقدم۔ صدور اسم موصوف صفت اور موصوف ملکر
مرکب غیر صفت فرمایا ماضی مطلق، مفرد اسم موصوف اور فعل ماضی مفرد ملکر خبر ہوا مبتدا کا مبتدا اور خبر
مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ایک چیز کے حرمت کے قائل نہ ہونے سے حلت کا قائل ہونا لازم آتا ہے یا نہیں؟
جواب از زید آتا ہے اب انصافاً آپ ہی فرمائیے حرمت کا نفیض کیا ہے۔ حلت ہے یا نہیں۔
حرمت کا قائل ہونا بعینہ اس کی حلت کے ہونیکا نتیجہ ہے۔ دیکھو بحث تصدیقات میں ان کانت
الشرطیہ منفصلہ فمانع الجمع منتج من وضع کل رفع الاخر لا تمناع اجتماعہما کقولنا اما ان یكون هذا الحد
زوجاً او فرداً لکنہ لیس بفرد فزوج اتھی۔ تو آپ ہی کے کلام سے قیاس استثنائی کے طور پر حلت ہی
کا نتیجہ نکلتا ہے۔ اتھی تحریر زید بالفاظ پس جس شخص کی لیاقت علمی مطابق جملات مذکورہ کے ہو ایسا
شخص بحکم شریعت امت محمدیہ کا واعظ ہو سکتا ہے۔

الجواب

مفتی اور واعظ ہونے کے لئے یہ صرف اسقدر استعداد علمی کافی نہیں کہ عربی عبارت
کافی الجملہ ترجمہ اسکے یا قصص چند یاد ہوں یا اردو، فارسی زبان میں چند رسائل جو مسائل دین کے
بارے میں ہوں ان کو دیکھا ہو یا پڑھا ہو بلکہ اس امر کی ضرورت ہے کہ قرآن و حدیث کا علم رکھتا
ہو۔ آیات و احادیث میں تعارض کو رفع کر سکے علی ہذا مسائل فقہ و احادیث میں تطبیق دے سکے
مسائل فقہ کے بارے میں جو اقوال مختلفہ ہوں ان میں رائج و مرجوح اور قول مفتی بہ پر اطلاع رکھتا
ہو زید جس کے حال سے سوال کیا جاتا ہے ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی استعداد کا آدمی ہے جو
ترکیب اس نے لکھی اکثر غلط ہے۔ علی ہذا جو عبارت عربی کی لکھی اور اسے اپنے مدعا کو ثابت کیا وہ
بھی ٹھیک نہیں مانت الجمع کا یہ حکم صحیح کہ قبضہ مانت الجمع وضع کل جزء سے رفع الاخر کا نتیجہ دیتا

ہے۔ مگر مثال صحیح نہیں وہ مثال مفصلہ حقیقیہ کی ہے جس میں وضع کل جزء رفع الاخر اور رفع کل جزء وضع الاخر کو فتح ہو۔ چنانچہ زید نے رفع احد الجزئین سے وضع آخر کا نتیجہ لکھا ہے مانع الجمع میں رفع جزء وضع آخر کو مستلزم نہیں جواز الخلو مانع فیہ میں رفع احد الجزئین یعنی رفع حرمت سے وضع الاخر یعنی وضع حلت و ثبوت حلت کا نتیجہ مقصود ہے اور وہ تا وقتیکہ فیما بین حلت و حرمت انفصال حقیقی اور نسبت تناقض نہ ثابت کی جائے۔ ثابت نہیں ہو سکتا۔ پس زید کے طرز استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ منقصلہ حقیقیہ و منقصلہ مانع الجمع میں فرق کر سکتا ہے اور نہ وہ فیما بین وضع و رفع کو کی امتیاز۔ نہ اس کو طرز استدلال سے آگاہی نہ اس کو تطبیق الدلیل علی المذکور کا سلیقہ۔ ایسا شخص لائق اس کے نہیں کہ مفتی بنے یا داعظ۔ ایسے شخص کا داعظ و مفتی بننا یا دوسروں کا اس کو داعظ و مفتی بنانا بے شک مصداق ہے اس حدیث کا علی صا جہا الف الف صلوٰۃ یرفع العلم و یکرہ الجہل و اتخذ الناس رؤسہم جہالاً فانما بغیر علم فکسلوا و اضلوا و کما قال واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم برائر احوال عبادہ و هو اللطیف الخبیر

۷۰۔ طہارہ، طلاق، کفارہ

زید کا ہمیشہ اس کی منکوحہ سے لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ ایک دن زید نے بہت سے آدمیوں کے سامنے اپنی منکوحہ کو خطاب کر کے کہا کہ تو تو میری مان جیسی ہے بلکہ اس لفظ کو مکرر کئی مجلسوں میں کئی آدمیوں کے سامنے کہا اب بعد گزرنے مدت تین ماہ کے جب کہ اس عرصے میں زید نے کفارہ طہارہ ادا نہیں کیا تو اس کی منکوحہ پر طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں بینو ادو جزوا
الجواب

یہ لفظ طہارہ صریح نہیں بلکہ از جملہ کفایات طہارہ ہے اس میں کہنے والے کی نیت معتبر ہوگی اگر بہ نیت طہارہ ہوگا اور بہ نیت طلاق کہا ہے طلاق بائنہ واقع ہوگی جس میں تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور اگر یہ بہ نیت کرامت کہا ہے نہ طلاق واقع ہوگی نہ طہارہ نہ کفارہ طہارہ کی ضرورت

نہ تجدید نکاح کی حاجت اور اگر کوئی نیت نہیں کلام لغو ہوگا اور کوئی حکم شرعی اس پر مرتب نہ ہوگا۔ علی قول الامام فی الوتایہ۔ و فی انت علی مثل اُمی او کامی ان نوی الکرامتہ او التظہار صحت وان نوی الطلاق بانت وان لم یزہیہا لفا۔ مگر جھگڑا باہمی کی حالت میں یہ لفظ نظر بہ دلالت حال اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لفظ خواہ بہ نیت ظہار کہا ہے اور خواہ بہ نیت طلاق اور اگر نیت طلاق ہے تو کفارہ ظہار کی ضرورت ہے اور اگر نیت طلاق ہے تجدید نکاح کی حاجت۔ غصہ یا جھگڑے کے وقت میں کہنا دلالت حال وقضاء بحکم نیت سمجھا جائے گا ایضاً فیہا و کتابت مالم یوضع لہ و احتملہ وغیرہ فلا تطلق الا بہ نیت او دلالت حال۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

تَرْوہ و خادم الطلبہ احمد حسن الامروہوی غفرلہ

۱۔ نقل خط مولینا امروہی بخد مت مولینا گنگوہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم و الصلوٰۃ علی رسولہ الکریم

کمترین خادمان احقر الزمن احمد حسن با علی خدمت حضرت مولینا المعظم اداہم اللہ تعالیٰ و القاہم سلام مسنون مکلف ہے والا نامہ پہونچا سرمایہ عزت ہوا مجھکو کیا حوصلہ و کیا مجال جو جوابات شبہات جناب والا قلم اُمّھاؤن اور کچھ لکھوں یا جس کو آپ غلط فرمائیں میں اسکو صحیح قرار دون بے شک جو میں نے لکھا غلط تھا اور ہے آپ نے خود اصلاح فرمادی ہوتی مجھ تک نوبت نہ پہونچتی میں اپنی غلطی کا معترف ہو کر آپ کی تحریر مرسلہ پر مہر کرتا ہوں ہاں اسقدر عرض کرنا ضرور ہے کہ مرے پاس جو سوال آیا ہے اس میں اور سوال مندرجہ تحریر ہذا میں بڑا فرق ہے اس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ زید اصل مالک نے اپنی حیات میں وفات سے دو برس پہلے جملہ جائداد جو مالیاتی پانچ ہزار کے تھی بموجودگی دختران و دیگر خاندان اپنے کے بعوض دین مہر کے جو نیز تعداد پانچ ہزار روپے کے تھا اپنی زوجہ کے ہاتھ بیچ کر دی اور اسکو بیچ ورہن جملہ تصرفات مالکانہ کا اختیار دیدیا۔ زوجہ بعد اس عقد کے اسی سنہ سے تادمت دو سالہ زمانہ حیات شوہر ہمہ جہت اس تمامی جائداد و

آمدنی جائداد پر مالکانہ قابض و متصرف رہی اور زوج اصل مالک کو کوئی تعرض نکلیا اس سوال میں
 بجواب ایجاب عقد کے زوجہ کی طرف سے قبول کرنا البتہ مذکور نہیں۔ سو یہ عدم الذکر ہی ذکر العدم
 نہیں تا متعین طور پر لکھا جائے کہ تنہا ایجاب سے عقد منعقد نہیں ہوتا بلکہ واقع کی رو سے دونوں
 احتمال ہیں قبول ہو اور مذکورنی سوال نہ ہو یا سرے سے قبول ہی نہ ہو مگر ظاہر احتمال اول ہے اور
 احتمال ثانی مجرد احتمال۔ نظر سیاق سوال بے تکلف ظاہر ہے کہ زوجہ نے اس عقد بیع کو قبول کیا اور اگر
 قبول نہ کرتی زمانہ حیات زوج جو مالک اصلی تھا اس جائداد پر تا مدت دو سال کیونکر مالکانہ قابض
 رہتی اور کس طرح اسکی آمدنی سے متمتع ہوتی۔ اس مدت طویلہ تک زوجہ کا یون متصرف رہنا اور رفع
 اصل مالک کا تمامی جائداد اور آمدنی جائداد سے بے تعلق رہ کر حترض نہ ہونا واضح دلالت کرتا ہے
 کہ زوجہ نے اس بیع کو قبول کر لیا تھا اور قبول منجانب زوجہ صراحۃً مرتبہ وجود میں آچکا تھا۔ ہاں سائل
 نے اپنی کوتاہ بیانی سے اسکو ذکر نہیں کیا۔ لہذا مسئلہ جزئیہ ہے کہ اگر زوجہ کسی سے یون کہے بھٹک ہذا
 العبد اور شخص ثانی قبلت نہ کہے مگر بجواب زید یون کہے فاعثقت پس قبول صریح نہیں مگر مال زید
 میں لجواب ایجاب بیع یہ تصرف اس کا منتفعی قبول عقد ہے اور بحکم اقتضاء ایجاب و قبول دونوں متحقق
 پس عقد بیع نیز صحیح یہاں پر بھی چونکہ بعد ایجاب عقد زوجہ زید اسوقت سے مالک ہو کر رہی اس لئے
 اقتضاء و قبول عقد ثابت پس یہ بیع صحیح اب جائداد مملوکہ زید ہے نہ متروکہ زید مرے جواب کا
 مدار اس بیان پر ہے۔ دختر ان زید کو چونکہ علم اس عقد کا تھا اور جانتی تھیں کہ یہ جائداد متروکہ پدری
 نہیں دین مہر مادری میں بیع ہو چکی ہیں اس لئے انہوں نے اپنے کو غیر مستحق سمجھ کر اپنا نام درج
 کاغذات سرکاری میں نہیں کرایا اور یہ عذر کیا کہ یہ جائداد ہماری مان کی ہے یہ نہیں کہ انہوں نے
 اس جائداد کو متروکہ پدری جانا۔ اس بات سے دستبرداری کی تاکہ ان کو دستبرداری نامعتبر ہو یا اس کو
 بہہ شاع قرار دیا جائے۔ میرے پاس جو سوال آیا ہے اسمیں برادر زادگان زید کا نیز ذکر نہیں۔
 دوسرا جواب جو حضور نے مرسل فرمایا ہے اس کا مدار اس سوال پر ہے جس میں صرف دستبرداری
 دختر ان کو بناء ملک زوجہ قرار دیا ہے نیز اس سوال میں برادر زادگان زید کا وارث رہنا نیز لکھا گیا

ہے۔ بے شک و بالیقین اس مضمون سوال کا ہی جواب ہے جو ارسال کیا گیا ہے بعد وفات زید زوجہ نے جو موافق میری تحریر کے مالک جائداد قرار پائی اس تمامی جائداد و سکنی صحرائی مین سے اسقدر جائداد کو جس کی قیمت چار ہزار پانچ سو روپیہ تخمیناً قرار پائی بنام دختر کلان اپنی کے بہہ کیا وہ یہی غالباً بہہ مشاع نہیں۔ بہہ مشاع جب ہوتا ہے کہ کل جائداد کا کوئی حصہ بہہ کیا جاتا یہاں قطعات متعلقہ سکنائی و صحرائی میں وہ قطعات چند جنگی قیمت ہو بہہ کی باقی جائداد اپنے قبضہ مین رکھی رجسٹری وغیرہ جملہ مراتب کا جس میں داخل خارج سمجھا جاتا ہے مکمل کر دینا قبضہ کر دینے پر نیز دلالت کرتا ہے۔ بالجلہ کو تا ہی یہاں سائل پر محمول کر کے ان وجوہ کے بعد اس بہہ کو صحیح کہہ سکتے ہیں البتہ باقی ماندہ جائداد کا بہہ صحیح نہیں بلکہ وہ بہہ نہیں وصیت بالہبہ ہے مع ہذا اگر دونوں بہہ ناجائز۔ ان کو غیر ثابت مانا جائے تاہم ہوتے ہونے دختر کے جواز جملہ ذوالفروض ہے جائداد مذکورہ جسکو ترکہ زوجہ سمجھا گیا اولاد دختر ان کو جو جملہ ذوی الارحام ہیں کیونکر مل سکتی ہے دختر کلان ردا فرضا سب کی مستحق ہوگی۔ نیز اگر بیع کو تا درست کہا جائے اور اس بہہ کو غیر صحیح دین مہر زوجہ چونکہ مقداری پانچ ہزار کا ہے اور جائداد مقرر کہ نیز اسقدر مالیت کی ہے پس متفرق ہوگی وارثان زید تا وقتیکہ دین مہر نہ ادا کریں اپنے اس جائداد کے کیونکہ مستحق ہو سکتے ہیں بغیر ادا دین جملہ جائداد متفرق بدین ہو کر دختر کلان زوجہ متوفیہ کی فرضا ردا اسکے لینے کی مستحق ہے میرے نزدیک ایٹام کے مستحق ہونے کی کوئی صورت نہیں اور بناء جواب ان جملہ خیالات پریشان پر ہے۔ اگر صحیح ہوں فہما ورنہ غالباً صحیح نہ ہوں گے مگر مجھے کو یا نہیں سوال کہاں سے آیا تھا اور سائل کون اس کا مرتبہ پتہ و نشان سے مطلع فرمائیے چونکہ یہ واقعہ حضور کو غالباً بالتفصیل معلوم ہے لہذا میری سمع خراشی بجائے خود معاف فرمائیے۔ مکلف احقر الرحمن احمد حسن امر دہوی (بعد میں حضرت مولینا گنگوہی کا مکرمات نامہ پہنچا اور مولینا امر دہوی سے اتفاق رائے کیا)